نوک جوک
ڈاکٹر محمد یونس بٹ

ادب کے عہدِ قاسمی کے نام

مزاح کیا ہے؟ یہ جاننا ایسے ہی ہے جیسے مینڈک کی
ڈائسیکشن کرنا یقیناً اس سے آپ بہت کچھ سیکھتے ہیں لیکن نتیجہ
مینڈک کی موت ہی نکلتا ہے۔

مارک ٹوین

نوک جوک

شرابُ الملک

وائس آف امریکہ نے آخری صدر بورس یلسن کے الیکشن جیتنے کی وجہ معلوم کر ہی لی۔ اس نے ایک تحقیقی رپورٹ کے حوالے سے بتایا ہے کہ روس میں جو جتنی زیادہ شراب پیتے ہیں اور اتنے زیادہ بورس یلسن کے حامی ہیں۔ جو کبھی کبھی شراب پیتے ہیں وہ کبھی کبھی ان کی حمایت کرتے ہیں اور جو بالکل نہیں پیتے وہ یلسن کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ اس تحقیقی رپورٹ کے بعد تو ہمیں بورس یلسن، بوتل یلسن لگنے لگے ہیں۔ ایک یار یلسن سے

پوچھا گیا: ''آپ کے ہاں شراب جمع کرنے کا سب سے بڑا برتن کون سا ہے۔'' تو انہوں نے کہا: ''میرا پیٹ۔'' روس میں جو شراب کی تعریف نہ کرے اسے سمجھتے ہیں یہ نشے میں ہے۔ بورس یلسن خود پی کر روس کی حکومت چلاتے ہیں۔ یہ واحد حکومت ہے جو پئے بغیر چلائی بھی نہیں جاسکتی لیکن اس تحقیق کا مطلب یہ بھی ہے کہ یلسن کو پسند کرنے کے لیے بندے کو نشے میں ہونا ضروری ہے۔ ہم کسی کے حرم اور حرام پر نظر نہیں رکھتے لیکن وہاں لوگ پانی شراب کی طرح پیتے ہیں۔ پانی کی بوتل وہاں اتنی مہنگی ہے کہ کوئی امیر آب خورہ ہی یہ عیاشی کر سکتا ہے۔ ہمیں تو وہاں کے گوالوں پر ترس آتا ہے پتہ نہیں دودھ میں کیا ڈالتے ہوں گے۔ ہم نے روس سے آنے والے ایک سیاح سے پوچھا: ''وہاں آج کل کس کی حکمرانی ہے؟'' بولے: ''جس کی پہلے تھی۔'' عرض کیا ''پہلے کس کی تھی؟'' ''جس کی اب ہے! واڈکا کی۔'' اس روسی کے بقول کبھی واڈکا پانی کے ساتھ نہ پیو اور کبھی پانی واڈکا کے بغیر نہ پیو۔ کہتے ہیں ایک روسی اوور کوٹ کی جیب میں شراب کی بوتل ڈالے جارہا تھا رات کے اندھیرے میں ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا۔ اسے اپنی پتلون پر کچھ گیلا گیلا محسوس ہوا تو کہنے لگا: ''اللہ کرے یہ خون ہو۔'' متحدہ روس کے زمانے میں کپاس ان کا سفید سونا تھا مگر ان کی خواتین کے لباس دیکھ کر لگتا ہے اب وہاں کپاس اتنی نہیں ہوتی' بس اب وہ شراب بناتے ہیں اور شراب انہیں بناتی ہے۔

بیمار الملک صدر بورس یلسن بیماری دل کے مریض ہیں۔ یہ تو نہیں پتہ انہیں بیماری کس سے لگی ہمیں تو ابھی چند روز پہلے پتہ چلا ہے ہمارے ایک سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی کو بیماری دل اس نرس سے لگی جو آخری عمر میں ان کی تیمارداری پر متعین تھی۔ بہرحال یلسن صاحب بڑے دل پھینک ہیں اور اس عمر میں دل پھینکنا' صحت کے لیے مضر ہوتا ہے اگرچہ بشریٰ رحمٰن صاحبہ کے نزدیک تو اس عمر میں دل لگانا بھی ورزش کے زمرے میں آتا ہے۔ بہرحال یلسن صاحب کا جب سے بائی پاس ہوا ہے وہ حسینوں کا بائی پاس کرنے لگے ہیں۔ ہمارے گورنر جنرل ملک غلام محمد ایک دفعہ شاہ سعود کی دعوت پر سعودی عرب کے دورے پر گئے کھانے پر شاہ سعود نے پوچھا: ''ہز ایکسی لینسی آپ کی کتنی بیویاں ہیں؟'' ملک غلام محمد نے جواب دیا: ''حضور'

آدھی ۔۔۔ شد مسعود نے حیرانی سے پوچھا: ''آدھی کیسے؟'' گورنر جنرل بولے ''کیونکہ وہ بیمار دھتی ہے'' اس حساب سے روسیوں کا صدر بھی آدھا ہی ہوا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اب روس بھی تو آدھا ہی رہ گیا ہے۔ جیسے کسی ستم ظریف نے کہا ہے فوجیوں کو آدھی ٹکٹ پر فلم دیکھنے کی رعایت اس لیے ملتی ہے کہ انہیں سمجھ بھی آدھی ہی آتی ہے۔ ایسے ہی شراب پینے سے عمر تو آدھی ہوتی ہے لیکن اس عمر میں آدمی کو دکھتا دوگنا ہے گویا نصف صدر شراب سے پورے ہو سکتے ہیں۔

صاحب! جوان لگنا کون سا مشکل ہے آپ اپنی سے زیادہ عمر کے لوگوں میں بیٹھیں تو آپ جوان لگنے لگیں گے۔ روس کے سابقہ سربراہوں کی تصویریں دیکھ کر بورس یلسن جوان لگنے لگتے ہیں۔ ان سابقہ صدور میں سے ایک سے کسی نے پوچھا ''آپ اسی سال کے ہونے کو آئے ہیں آپ بتائیں طویل عمر پانے کا راز کیا ہے؟'' بولے ''آسان ہے بس سانس لیتے رہو یہ نہ رکے۔'' روسی شاید پہلے اس لیے بوڑھا صدر بناتے کہ بقول ضمیر جعفری بڑھاپے میں بندہ برا سوچ تو سکتا ہے۔ مگر برا کر نہیں سکتا۔ اس حساب سے روسیوں نے اس بار بیمار صدر بنا کر اپنی ان صحت مندانہ روایات کو آگے ہی بڑھایا ہے۔
ان کے صدر دیکھ کر لگتا ہے روس میں پرانی چیزوں کی بڑی قدر رہی ہے اب بھی وہاں پرانی چیز کی بڑی قدر ہے بشرطیکہ وہ بوتل میں ہو۔ یلسن پیتے ہیں لیکن ہر وقت نہیں بس دو دن پیتے ہیں: ایک اس روز جب بارش ہو اور ایک اس دن جب بارش نہ ہو۔ اب تو شاید وہ اتنا شراب کو انجوائے نہیں کرتے جتنا شراب انہیں انجوائے کرتی ہے۔ وہاں جمہوریت ہے اس لیے لوگ بیمار صدر کے لیے جمہوری طریقوں سے صحت یابی کی دعا کرتے ہیں اور دعا کرنے کے جمہوری طریقے کی ایک مثال امریکہ کے ایک شہر کی ہے وہاں کے میئر بیمار ہو کر ہسپتال میں سے داخل ہوئے تو انہیں ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا میونسپل کمیٹی سات میں چار ووٹوں کی اکثریت سے آپ کی صحت یابی کی خواہش مند ہے۔ یلسن دوسرے روسیوں کی طرح بیماریوں کو شراب کے لیے دوا سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے کینسر سگریٹ کا علاج ہے۔ ان سے پوچھو ''آپ کو سب سے برا کیا لگتا ہے؟'' نہیں گے ''صبح کیونکہ یہ بہت جلد ہو جاتی ہے۔'' صبح سو کر اٹھتے تو آدھے گھنٹے تک

سر چکراتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ”یہ تو معمولی بات ہے کل سے آپ یوں کریں کہ صبح کے وقت روزانہ معمول سے آدھ گھنٹہ بعد اٹھا کریں، سر نہیں چکرائے گا۔“ تب سے ان کا سر نہیں چکراتا۔ اب ارد گرد کی چیزیں چکراتی ہیں وہ اسی حالت میں حکومت چلا رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہوتے تو انہیں حکومت چلانے میں بڑی مشکل پیش آتی۔ وہ غلط کام کم ہی کرتے ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ کام کم ہی کرتے ہیں بس کوشش ہی کرتے ہیں جیسے کسی نے پوچھا ”یہاں سے گلگت فلائٹ کتنی بار جاتی ہے؟“ کہا ”تقریباً چار کوششوں میں ایک بار“ لیکن وہ ایک بار میں چار کوششیں کر جاتے ہیں۔

اچھے جوتے نہ پہننے والے کی شخصیت بھی اپنے جوتوں کی طرح ہوتی ہے، یہ بات یلسن کو کہی جائے تو جوتا اتار لیتے ہیں۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتے سوائے انگریزی سے۔ روس میں چالیس سال سے زیادہ عمر کے لوگ اب بھی کمیونزم میں رہ رہے ہیں۔ یعنی کارخانے میں کام کرتے ہیں، ٹی وی دیکھتے ہیں اور واڈکا پیتے ہیں۔ پہلے وہ غموں کو شراب میں ڈبونے کے لیے پیتے لیکن اب انہیں اس میں ڈبونا مشکل ہے کیونکہ غم تیرنا سیکھ گئے ہیں۔ یلسن نے تو دوسروں کے جام صحت پی پی کر اپنی صحت جام کی ہے۔ ان کی بیوی سے کسی نے پوچھا ”آپ کو شادی کے وقت پتہ تھا یلسن شراب پیتے ہیں؟“ بولی ”نہیں مجھے اس وقت پتہ چلا جب ایک رات وہ بغیر پئے گھر آئے اور مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔“ اس کے بعد دونوں میاں بیوی جب کسی کاک ٹیل پارٹی پر جاتے، ابھی دونوں نے تھوڑی ہی پی ہوتی کہ مسز یلسن یہ کہہ کر یلسن کے ہاتھ سے جام پکڑ لیتی ”یلسن بس اور نہ پینا ابھی سے تمہارا چہرہ دھندلانے لگا ہے۔“ اگرچہ شراب کے بڑے فائدے ہیں مثلاً اس سے بیوی کے میک اپ کا خرچہ بچتا ہے تھوڑی سی پی لو بیوی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ شراب پی ہو تو ڈرائیونگ آسان ہو جاتی ہے۔ پھر سب سے بڑا فائدہ یہ کہ پارکنگ میں جگہ نہ ہو پھر بھی آپ گاڑی پارک کر سکتے ہیں لیکن اس کا اصل فائدہ بورس یلسن کو ہے اگر لوگ نہ پیتے تو یلسن کیسے جیتتا۔ شاید اس لیے اس نے ڈاکٹروں کے کہنے کے باوجود پینا نہیں چھوڑا کیونکہ اسی کام کا تو اسے MANDATE ملا ہے یہ الگ بات ہے اسے MANDATE کی اتنی پروا نہیں جتنی WOMANDATE کی ہے۔

جون ایلیا

جون ایلیا ایسی شخصیت ہیں کہ بچہ بھی انہیں دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ وہ بڑے شاعر ہیں۔ ہمیں جو شاعر پسند ہو اس کی شاعری نہیں پڑھتے تا کہ وہ ہمارا پسندیدہ شاعر ہی رہے لیکن جون ایلیا کو لوگ پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے ہمارے ایک دوست نے کہا "جون ایلیا میرا پسندیدہ شاعر تھا لیکن پھر ایک دن میری اس سے ملاقات ہو گئی!" شاعری کے بارے میں جون ایلیا صاحب کے باذوق ہونے کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ وہ کہتے ہیں مجھے اپنی

شاعری کبھی پسند نہیں آئی۔ شعر پڑھنے کا ایسا انداز مجلس میں شعر پڑھ رہے ہوں تو لگتا ہے مجلس پڑھ رہے ہیں۔ منیر نیازی کے بعد جون ایلیا ایسے شاعر ہیں جن کے انٹرویوز لوگ یوں پڑھتے ہیں جیسے ان کے شعر پڑھ رہے ہوں۔ اپنے تازہ ترین انٹرویو میں جنون ایلیا نے عوام الناس کو مشورہ دیا ہے کہ وہ کسی ادبیہ یا شاعرہ کو بیوی بنانے کی حماقت نہ کریں۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ عورت کے نزدیک آج بھی سب سے نااہل نالائق اور غیر ذمہ دار مرد وہ ہے جو شاعر ادیب ہے۔ جون ایلیا صاحب چونکہ خود شاعر ادیب ہیں اس لیے وہ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔ ہمیں ان پر اعتبار ہے۔ بلکہ ہمیں تو اب پتہ چلا کہ جو بیویاں کہتی پھرتی ہیں ہمارا خاوند شاعر ادیب ہے وہ دراصل کہنا کیا چاہتی ہیں!

صاحب شادیاں آسمانوں پر طے ہوتی ہیں البتہ طلاقیں زمین پر ہی طے ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں شادی کرنے کا زیادہ فائدہ حکومت کو پہنچتا ہے کہ پھر بندہ ہر معاملے میں حکومت کو موردالزام نہیں ٹھہراتا۔ البتہ بیوی شاعرہ ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتے کیونکہ جو کہنا ہے اسی نے کہنا ہے۔ ویسے بھی ایک بیوی اوپر سے شاعرہ ادبیہ گویا بہت ہی بیوی۔ لیکن سب بیویوں میں قدر مشترک ہے کہ وہ خود کو ایک دوسری سے مختلف سمجھتی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میاں بیوی میں اگر ایک ہی میاں ہو تو شادی چلتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں شراب نوشی، سگریٹ نوشی اور بیوی کی سالگرہ فراموشی صحت کے لیے مضر ہے۔ ویسے بیوی کی سالگرہ یاد رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک بار اس کی سالگرہ بھول جاؤ۔ قرون وسطی میں شادی سے پہلے منگیتر اپنی ہونے والی بیوی کو انگوٹھی اور سلیپر دیتا جو ساری شادی چلتے۔ بچوں اور بیوی سے کام کرانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو کام کرانا چاہتے ہیں وہ کام کرنے سے انہیں منع کر دیں۔ ہمیں جون ایلیا صاحب کی یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ عورتیں شاعر ادیب خاوند کو نااہل، غیر ذمہ دار اور نالائق کیوں سمجھتی ہیں۔ جس کی ایک وجہ شائد یہ ہے کہ ہم جون ایلیا صاحب کو نہیں جانتے۔ زخمی صاحب نے شادی کے بعد شاعری چھوڑ دی۔ ہم نے کہا "مانا شاعری اور شوہری دونوں فل ٹائم جاب ہیں، پھر بھی آپ نے شاعری اس لیے تو نہیں چھوڑی کہ آپ کی بیوی کو شاعری کا ذوق نہیں؟" بولے "ذوق ہے اسی لیے شاعری چھوڑ دی ہے۔" ویسے کچھ شاعر ایسے ہیں جو پتہ ہی نہیں چلنے دیتے کہ وہ شاعر ہیں۔

ان کا پورا مجموعہ کلام پڑھ جاؤ کہیں یہ شک نہیں ہوتا کہ یہ شاعری کرتے ہیں۔ البتہ جیسے کچھ نوجوان رائٹر یہ غلطی کرتے ہیں کہ جب وہ اپنا مسودہ کسی پبلشر کو بھیجتے ہیں تو ساتھ اپنا پتہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ شاعر ادیب خود اپنی بیوی کو اپنے شاعر ادیب ہونے کا بتا دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ نو ماہ سے پہلے ہی نکل آتا ہے۔ کراچی کے ہی ایک شاعر نے چند برس قبل شادی کی۔ وہ گھنٹوں اپنی بیوی کو اپنی شاعری سناتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بیچاری کا ذہنی توازن خراب ہو گیا اور وہ خود شاعری کرنے لگی۔ شائد اسی لیے ہمارے ہاں بیشتر خواتین ادب میں شادی کے بعد ہی آتی ہیں۔

جون ایلیا صاحب جون میں نہیں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ جس کے بارے میں کہتے ہیں امروہہ شہر تخت ہے۔ گزران یہاں کی سخت ہے' جو چھوڑے وہ کم بخت ہے۔ سو جون ایلیا وہاں سے کراچی آ گئے۔ لارڈ بائرن کہتا ہے "عورت کو کبھی کھانا کھاتے نہیں دیکھنا چاہئے اس سے رومانس خراب ہوتا ہے۔" ہمارے ہاں تو رومانس کو پہلے ہی خراب سمجھا جاتا ہے لیکن جون ایلیا صاحب تو خواتین کے سامنے کھانا کھانے کی بیہودہ اور انتہائی ناشائستہ حرکت گردانتے ہیں۔ وہ جب کسی خاتون سے کوئی بیہودہ اور ناشائستہ حرکت کرنا چاہیں تو اس کے سامنے کھانا لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں ان کے شعر ان سے زیادہ جاندار لگتے ہیں۔ صحت ایسی ہے کہ ایک تقریب میں وہ گلے میں ہار ڈالے بیٹھے تھے کہ پولیس بھوک ہڑتالی کیمپ سمجھ کر اندر گھس آئی۔ زاہدہ حنا صاحبہ ان کی ممدوحہ تھیں' محبوبہ ہوئیں' منکوحہ بنیں اور اب ممنوعہ ہیں۔ انہوں نے زاہدہ حنا صاحبہ کو جاننے کے لیے چھوڑا۔ اب جبکہ وہ انہیں جان گئے ہیں تو انہوں نے سب کو خبردار کرنا اپنا حق سمجھا۔ ان کی ازدواجی زندگی مثالی تھی' لوگ مثال دیتے کہ ازدواجی زندگی ایسی نہیں ہونی چاہیے۔ ایک بار بخار میں بے ہوش ہو گئے گھنٹے بعد آنکھیں کھولیں اور پوچھا "میں کہاں ہوں کیا میں جنت میں ہوں؟" "خدا نہ کرے" ان کی بیوی نے تسلی دیتے ہوئے کہا "دیکھ نہیں رہے میں تمہارے پاس کھڑی ہوں۔" لوگوں نے ان کی شاعری سے بہت سیکھا ویسے بھی بندے کو دوسروں کی غلطیوں سے سیکھنا چاہیے۔ خود اتنی بہت ساری غلطیوں کیلئے آج کل ٹائم نکالنا ممکن نہیں۔ اب وہ چاہتے ہیں لوگ ان کی زندگی سے بھی سبق سیکھیں۔ کتابیں لکھنا ایسا پیشہ ہے کہ آپ اس میں کوئی پیسہ نہ بھی کمائیں تب

بھی آپ کو کوئی ناکام رائٹر نہیں کہے گا۔ شاعروں ادیبوں کو لڑکیاں پسند کرتی ہیں۔ ایک محترمہ نے کہا "میں فلاں شاعر کو بڑا پسند کرتی تھی لیکن پھر میری اس سے شادی ہو گئی۔" اگرچہ کوئی چیز اتنی اچھی نہیں ہوتی جتنی وہ شروع میں لگتی ہے۔ بعد میں تو یہ حال ہو جاتا ہے کہ ایک بچے نے ماں سے کہا "کیا ابو آپ کے لیے نئے کپڑے لائے ہیں؟" ماں نے پوچھا "تمہیں کیسے پتہ چلا؟" بچہ بولا "آپ ان کے لطیفوں پر ہنس جو رہی تھیں۔" میاں بیوی کے ساتھ نہ چلنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جیسے ایک جوڑے نے بتایا "ہم اس لیے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے کہ ہمارے پاس تین گاڑیاں ہیں، چلیں کیسے؟" جون ایلیا صاحب پتہ نہیں کیوں اپنی بیوی کے ساتھ نہیں چل سکے۔ بہر حال ان کے ناقابل بیان 'بیان' کے بعد شاعرات سے زیادہ شاعروں ادیبوں کی شادیاں خطرے میں پڑ گئی ہیں۔ پچھلے دنوں امریکہ میں ایک اشتہار چھپا "ایک ایکڑ پر مشتمل دو منزلہ بنگلہ برائے فروخت آب و ہوا عمدہ پر سکون علاقہ 'بنگلے کے تقریباً بیس میل کے فاصلے تک کوئی وکیل نہیں رہتا۔" ایسے اشتہار نہ سہی لیکن ہمیں لگتا ہے آئندہ ضرورت رشتہ کے اشتہاروں میں یہ لکھا ہوا کرے گا کہ شاعر ادیب حضرات زحمت نہ کریں بلکہ زحمت کلام نہ کریں۔

مہاتمایدُھ

صاحب! میاں بیوی کو خوش رہنا چاہیے چاہے اس کیلئے انہیں روز لڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم میاں بیوی کی لڑائی کے حامی ہیں۔ ہمارے ایک دوست روز بیوی سے لڑتے کہتے ''جس دن نہ لڑوں بیوی ناراض ہو جاتی ہے کہ اکیلی لڑ رہی ہوں تم میرا ساتھ نہیں دے رہے۔'' ہم نے میاں کو مشورہ دیا کہ ہفتے بعد گھر جایا کرو' اب ان کے ہاں لڑائی کم ہو گئی ہے روز نہیں ہوتی سات دن بعد ہوتی ہے لیکن ممتاز

ماہر نفسیات ڈاکٹر کول کروف نے 55 جوڑوں پر تحقیق کرنے کے بعد اعلان کیا ہے کہ روز لڑنے والے میاں بیوی کبھی نہ لڑنے والوں کی نسبت زیادہ خوش و خرم رہتے ہیں۔ اس لیے خوشگوار ازدواجی زندگی کیلئے ضروری ہے کہ میاں بیوی آپس میں لڑائی جھگڑوں کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اس سے تو لگتا ہے شادی ایک مہاتما یدھ ہے۔ صاحب تحقیق کے بارے میں ہمیں اتنا ہی علم ہے کہ ادب میں ایک کتاب سے نقل کرو تو اسے سرقہ کہتے ہیں اور دو تین سے نقل کرو تو تحقیق۔ ہماری بیوی سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی اس کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ ہم میاں بیوی کی برابری کے قائل ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ ہماری ابھی شادی نہیں ہوئی لیکن اخبار پڑھ کر پتہ چلا لڑنے کیلئے ہی شادی ضروری نہیں الیکشن لڑنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ حلقہ این اے 38 کے ایک اعتراض دہندہ نے شیخ رشید اور ناہید خان پر ''کوارے'' ہونے کا الزام لگا کر انہیں الیکشن سے نااہل قرار دینے کی درخواست کی تھی' یہ تو اچھا ہوا وہ یہ الزام ثابت نہ کر سکا۔ جیسے اداکارائیں کہتی ہیں ''ہماری فن سے شادی ہوئی ہے'' جس کا انہیں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ طلاق کی ضرورت نہیں پڑتی اور بچے بھی ان کی ہی تحویل میں رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ایسے ہی شیخ رشید اور ناہید خان نے بھی سیاست سے شادی کر رکھی ہو۔ سیاست کے ساتھ ان کے رویہ سے لگتا تو یہی ہے۔ پچھلے دنوں کسی نے بات کی تھی کہ ناہید خان کی شادی ہو رہی ہے ہم نے پوچھا بھی کہ بارات کہاں جائے گی مگر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ اب تو ناہید خان محترمہ نمبر دو ہیں۔ کہتے ہیں ناہید خان نے ایک صحافی سے پوچھا ''آپ کے خیال میں اس وقت پاکستان کے کل کتنے بڑے بڑے لیڈر ہیں؟'' تو صحافی نے کہا ''آپ کے اندازے سے ایک کم۔'' وہ جس طرح ڈانٹتی ہیں اس سے شائبہ تک نہیں ہونے دیتیں کہ وہ شادی شدہ نہیں ہیں۔ سیاستدان خواتین کا شادی شدہ ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہمیں مس لیڈ کرتی ہے۔ کہتے ہیں مسرت شاہین سے کسی نے پوچھا ''آپ نے تقریر کا فن کہاں سے سیکھا؟'' بولی ''اپنے گھر سے'' پوچھا ''کیسے؟'' بولی ''اپنے شوہر سے مختلف موضوعات پر گفتگو کر کے۔'' شیخ رشید اور ناہید خان دونوں اس عمر کے ہیں کہ اس عمر میں غیر شادی شدہ ہونا شادی شدہ ہونے سے زیادہ مشکل ہے۔ بہر حال یہ ثابت کرنے کیلئے کہ عمر کے

ساتھ ساتھ عقل نہیں بڑھتی یہی کافی ہے کہ ہر عمر کے لوگ شادی کرتے ہیں۔ بوڑھے کا شادی کرنا اور ان پڑھ کا اخبار خریدنا، ہمیں کبھی سمجھ نہیں آیا کہ بندہ دیکھ ہی سکتا ہے پڑھ نہیں سکتا۔

بیوی خاوند کی دریافت ہوتی ہے اور خاوند بیوی کی ایجاد۔ کہتے ہیں ٹی وی اور بیوی کو دیکھنا چاہئے سننا نہیں' ویسے ہم سمجھتے ہیں بندہ اپنی بیوی کی گفتگو سے اتنا ڈسٹرب نہیں ہوتا جتنا اس کی خاموشی سے ہوتا ہے۔ انگریز کی جب اپنی بیوی سے نہیں بنتی تو وہ کلب چلا جاتا ہے' فرانسیسی کی اپنی بیوی سے نہ بنے تو دوسرے کی بیوی سے بنالیتا ہے' امریکی کی نہ بنے تو وہ وکیل کے پاس چلا جاتا ہے جبکہ پاکستانی کی نہ بنے تو سیاست میں آجاتا ہے۔ ویسے سیاست اور شادی میں یہ احتیاط کرنا چاہئے کہ کبھی اپنا سب سے اچھا سوٹ پہن کر کچی بات نہ کریں۔ کہتے ہیں بندہ تب شادی کرتا ہے جب اسے اجنبی عورتوں سے لڑنا جھگڑنا اچھا نہیں لگتا۔ مغرب میں لوگ اتنے امن پسند ہوتے جارہے ہیں کہ ہر سال غیر شادی شدوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے' ہمارے اناٹومی کے پروفیسر کہا کرتے تھے "بندے کو تب تک شادی نہیں کرنی چاہئے جب تک اس نے چھ عورتوں کی ڈائیکشن نہ کی ہو" ویسے آپ کی ازدواجی زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے اگر آپ اپنے جیسے ساتھی سے شادی کریں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اکثر کی اس عمر میں شادی ہو جاتی ہے جب انہیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ خود کیسے ہیں؟ ای وی لوکاس کہتے ہیں کہ شادی میں مصیبت یہ ہے کہ عورت کے سینے میں ہمیشہ ایک ماں کا دل ہوتا ہے جبکہ مرد کے سینے میں ایک کنوارے کا۔

ڈاکٹر کول کروف ماہر نفسیات ہیں' ماہر نفسیات تو ایک دوسرے کو ملیں تو دعا سلام یوں کرتے ہیں "تم بالکل ٹھیک ہو' میں کیسا ہوں؟" ہمارے ایک دوست کہتے ہیں ماہر نفسیات کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں وہ جو بے تکے اور بے ربط سوال پیسے لے کر پوچھتے ہیں وہ بیوی مفت میں پوچھ لیتی ہے۔ کہتے ہیں مہابھارت کے ختم ہونے پر جب شری کرشن جی دوارکا جانے لگے تو انہوں نے مہارانی کنتی جی سے کہا "اے ماتا! میں اب واپس جانے لگا ہوں آپ مجھ سے کچھ ور مانگیں" تو ماتا کنتی نے ور مانگا "اے جگت گرو' میری خواہش ہے کہ ہمیں قدم قدم پر تکلیفیں ملیں" شری کرشن جی نے کہا "ماتا

یہ تونے کس قسم کی خواہش کی ہے؟" ماتا کنتی نے کہا "جب ہم پر مصیبتیں اور تکالیف آئیں گی تو اس وقت ہمیں آپ یاد آئیں گے اور ہماری پکار سن کر آپ ہماری مدد کے لیے ضرور پہنچیں گے اور آپ کے درشن ہوں گے۔" سو صاحب اگر میاں بیوی لڑیں گے نہیں تو ماہر نفسیات کے درشن کیسے ہوں گے۔ سو ہمارے خیال میں تو حقیقت یہ ہے کہ ماہر نفسیات کی خوشگوار زندگی کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی آپس میں لڑائی جھگڑوں کا سلسلہ جاری رکھیں۔

Wise And Otherwise

اگرچہ صرف حسین ہونا کوئی عقلمندی نہیں پھر بھی بندہ ذہین نہ ہو تو اسے حسین ضرور ہونا چاہئے۔ جہاں تک حسن کا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں اس سے تعلق ہونا چاہئے۔ دنیا میں دو طرح کے حسین ہوتے ہیں ایک اپنی طرح کے اور دوسرے ہر طرح کے۔ جہاں تک خواتین کا تعلق ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہیں' ایک حسین عورتیں اور دوسری جو محنت نہیں کرتیں۔ ویسے تو ہر بندہ دن میں کچھ دیر کے لئے بے وقوف ہوتا ہے وہ کتنی دیر کے لئے بے

وقوف ہوتا ہے یہ اس کی ذہانت پر منحصر ہے لیکن مشہور ماڈل گرل کلاڈیا شیفر نے کہا ہے "یہ اس کے حسن پر منحصر ہے" اس کے بقول ہر حسین لڑکی بے وقوف ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ بے وقوفی خود کو حسین ثابت کرنے کے لیے کی ہو ویسے بھی جو لڑکی کبھی حماقت نہیں کرتی وہ اتنی عقلمند نہیں ہوتی جتنا وہ خود کو سمجھتی ہے۔ بہر حال کلاڈیا وائز ہے یا ادروائز ہے یہ فیصلہ اسے آہستہ آہستہ دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔

فرانسیسی کڑیاں اور کہاوتیں غضب کی ہوتی ہیں۔ ان کی کہاوت ہے عورت شیشے میں دیکھ کر اندازہ لگاتی ہے وہ کتنی ذہین ہے۔ لگتا ہے کلاڈیا نے یہ بیان بھی شیشے کے سامنے بیٹھ کر لکھا ہے۔ ہماری ایک افسانہ نگار کے افسانوں میں خواتین کی ایسی تصویر کشی ہوتی ہے کہ ہم نے کہا "لگتا ہے آپ اپنے افسانے شیشے کے سامنے بیٹھ کر لکھتی ہیں۔" ہمارے ہاں حسن کا معیار اتنا معیاری نہیں رہا ہمارے شعراء اپنی محبوبہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں "اس کی ناگن جیسی زلفیں، ہرنی جیسی آنکھیں، چیتے جیسی کمر اور سرو قد ہے۔" گویا اس میں کوئی بھی انسانی صفت نہیں اس سے تو یہی لگتا ہے ہمارے شعراء کو درختوں اور جانوروں سے بڑا پیار تھا۔ جدید حسن، تجریدی مصوری اور دیگر فاضل فنون کو سمجھنے کے لئے بڑا فاضل بندہ چاہئے کلاڈیا شیفر کو اپنی تعریف میں ایک صحافی کا جو فقرہ سب سے زیادہ پسند ہے وہ ہے "اگر ایٹمی جنگ ہوئی تو صرف کاکروچ اور کلاڈیا زندہ رہے گی" ہمارے ایک نقاد دوست نے کئی روز کلاڈیا کو ٹکٹکی لگانے اور کاکروچ کو ٹکٹکی پر لگانے کے بعد کہا "دونوں میں کوئی مماثلت نہیں پھر کاکروچ تو بڑا ہی بے ہودہ جاندار ہے۔" ہم نے عرض کیا "آپ نے ایک قدر مشترک ڈھونڈ ہی لی" اس موصوف نے کہا "کلاڈیا شیفر ڈاکٹر ہے اور کئی تصویریں دکھائیں جس میں وہ مختلف لوگوں کو مصنوعی تنفس دے رہی تھی۔" کلاڈیا کے جادوگرسیاں سے کسی نے پوچھا "کلاڈیا جو کہتی ہے ہر حسین لڑکی بے وقوف ہوتی ہے آپ اس کی مثال دے سکتے ہیں؟" تو وہ بولا "کلاڈیا خود مثال ہے مگر میں آپ کو یہ مثال دے نہیں سکتا۔" اس سے قبل نومی کیمبل نے کہا تھا "بیوٹی پارلر والے اتنا حسین نہیں بناتے جتنا بے وقوف بناتے ہیں۔" کیمبل وہ ماڈل ہے جسے دیکھ کر "کیمبل" بھی اچھا لگنے لگتا ہے کلاڈیا کے مطابق تو کسی کو بے وقوف بنانا دراصل اسے

خوبصورت بناتا ہے اس حساب سے تو مردوں نے عورتوں کو جتنا حسین بنایا اتنا تو انہیں اللہ نے بھی نہیں بنایا۔ حسین عورتیں بے وقوف ہوتی ہیں شاید اسی لئے ہر مرد حسین عورت چاہتا ہے ویسے کہتے ہیں عورتیں اس لئے حسین ہوتی ہیں کہ مرد انہیں پسند کر سکیں اور بے وقوف اس لیے کہ وہ مردوں کو پسند کر سکیں۔ جدید حسن کو تو پسند کرنے کے لئے بیوٹیشن کا ڈپلوما جیب میں ہونا ضروری ہے۔ جدید تعلیم کا یہ فائدہ ہے کہ دنیا کے معاملات پر آپ جدید طریقے سے پریشان ہو سکتے ہیں۔ تعلیم سے تو جاہل آدمی کو بھی خود اعتمادی حاصل ہو جاتی ہے اور خود اعتمادی کے بغیر حسن ایسے ہی ہے جیسے کلاڈیا میک اپ کے بغیر۔

حسن کا عقل سے اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا عقل کا حسن سے ہے ارسطو نے کہا تھا ''عورتیں اس لئے کم عقل ہوتی ہیں کیونکہ ان کے دانت کم ہوتے ہیں'' بات تو انگشت بدنداں کرنے والی ہے اس کا دندان شکن جواب تو کسی خاتون کو ہی دینا چاہئے لیکن ہم سمجھتے ہیں دانت صرف منہ زور سے بند کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اسی لئے کچھ کہتے ہیں عورت کا حسن اس کی خاموشی میں ہوتا ہے۔ ایسی باتیں سن کر عورتیں پتہ نہیں کیوں چپ ہو جاتی ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو بولنا تو قدرت کی طرف سے آ ہی جاتا ہے البتہ خاموشی ذہانت سے آتی ہے۔

البیرونی تو بیرونی چیزوں کو اہمیت نہیں دیتے وہ کہتے ہیں انسان عقل سے پہچانا جاتا ہے شکل سے نہیں۔ شکر ہے ان کی بات نہیں مانی گئی ورنہ اخباروں میں کلاڈیا شیفر، نیلی، ریما اور مادھوری کی ادھوری تصویروں کی بجائے ان کی میٹرک کی سندیں چھپتیں۔ ویسے بھی عام عورت کو ذہین سے زیادہ حسین ہونا چاہئے کیونکہ عام مرد اتنا بہتر سوچ نہیں سکتا جتنا بہتر دیکھ سکتا ہے۔ سندھی کہاوت ہے 'خوبصورت لڑکی تو پیدا ہوتے ہی آدھی شادی شدہ ہوتی ہے۔ جو شخص یہ پوچھے کہ سب حسینوں سے پیار کیوں کرتے ہیں؟ وہ کوئی اندھا ہی ہو سکتا ہے۔ کہتے ہیں ملکہ وہ ہوتی ہے جسے دیکھ کر بندہ خود کو بادشاہ محسوس کرنے لگے۔ ویسے اگر ذہانت پر ٹیکس ہو تو کسی اداکارہ پر کبھی ٹیکس چوری کرنے کا الزام نہ لگے۔ کہتے ہیں ذہین سر کے بال ہوتے تو دنیا کو وگ لگانا پڑتی اور پھر پرویز مہدی کی طرح دنیا کو

ہر وقت اللہ سے عزت قائم رکھنے کی دعا مانگنا پڑتی۔ پاکستان میوزک کونسل کی طرف سے گلوکار پرویز مہدی کی تاج پوشی ہوئی۔ تقریب کے آخر میں اس وقت کے چیف سیکرٹری جاوید قریشی تاج پہنانے لگے تو پرویز مہدی نے یکایک ہاتھ اوپر اٹھا کر دعا کی ''اللہ عزت قائم رکھنا'' تقریب کے بعد کسی نے پرویز مہدی سے پوچھا ''تم نے یہ دعا کیا اس لئے مانگی تھی کہ جذباتی ہو گئے تھے؟'' پرویز مہدی نے جواب دیا ''نہیں میں نے اس لئے مانگی تھی کہ کہیں جاوید قریشی مجھے تاج پہناتے پہناتے میری وگ نہ اتار دیں۔'' بہرحال یہ دنیا حسینوں کی وجہ سے قائم ہے کیونکہ سب مانتے ہیں اگر بے وقوف نہ ہوتے تو دنیا اب تک تباہ ہو چکی ہوتی۔

پاکستان میرج پارٹی

پیر پگاڑا صاحب ہمارے ان لیڈروں سے زیادہ پاپولر ہیں جو ان سے کم پاپولر ہیں۔ اتنے نیک بندے ہیں کہ ہم جیسا تو گھڑی ان کے پاس بیٹھ جائے تو خود کو گناہ گار سمجھنے لگے۔ پچھلے تین سالوں میں انہوں نے جو اہم کام کیے ان میں سے ایک 65 سال کی عمر سے 68 سال کا ہونا ہے۔ ایک عرصے سے ان کے بیانات پڑھ کر ہمیں لگ رہا تھا وہ پاکستان میرج پارٹی کے سربراہ ہیں شادی کروانا ان کا پارٹی منشور بلکہ من شور ہے۔ اگرچہ شادی کروانا کوئی نیا پارٹی

منشور نہیں کئی پارٹیوں کا منشور پڑھ کر لگتا ہے کہ وہ حکومت میں آکر مولانا عبدالستار نیازی کی شادی کا بندوبست کرنا چاہتی ہیں کیونکہ مولانا نے کہہ رکھا ہے تب شادی کروں گا جب پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہوگا۔ شادی سے پہلے پیر پگاڑو صاحب کے بیانوں میں منصوبہ بندی کا ذکر ہوتا تھا جس میں حیران ہونے والی کوئی بات نہیں سیاست دان تو پل پہلے بنا لیتے ہیں اس کے نیچے نہر بعد میں بناتے ہیں۔ ان کی میرج پارٹی میں شامل ایک صحافی نے پیر صاحب سے کہا اس شادی کے بعد اب آپ 69 برس کے ہوگئے ہیں۔ اس پر پیر پگاڑو صاحب نے کہا "میری عمر اتنی زیادہ بھی نہیں میں تو ابھی صرف 68 برس کا ہوں۔" ہم ابھی اس شادی کو میرج آف دی ایئر قرار دینے ہی والے تھے کہ بھارتیوں نے اپنے آرمی چیف جنرل شنکر رائے چودھری کی امریکی دوشیزہ سے شادی کو یہ اعزاز دے دیا وہ شادی میں پیر صاحب سے ایک دن سینئر ہیں۔ ہمیں امید ہے اگلے سال یہ اعزاز پیر صاحب ہی حاصل کریں گے کیونکہ جنرل چودھری جس عمر کے ہیں اس میں بندہ خدا کو یاد کرتا ہے مگر چاہتا ہے خدا اسے یاد نہ کرے۔ ویسے وہ لوگ بڑے بدقسمت ہوتے ہیں جن کے پاس طویل عمر کے علاوہ اس بات کا اور کوئی ثبوت نہیں ہوتا کہ وہ اتنی دیر زندہ رہے۔ جنرل چودھری سے ایک صحافی نے پوچھا "دوستوں نے اس عمر میں آپ کو شادی کرنے سے منع نہیں کیا؟" بولے "اس عمر میں شادی پر دوست زیادہ خوش ہوتے ہیں۔" بھارتی کہتے ہیں ہمارے جنرل نے امریکی خاتون سے شادی قوم کے لئے کی ہے۔ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے اس عمر میں تو بندہ رات کو جلد بتیاں بھی بجھا دے تو اس کی وجہ قوم کے لئے بجلی کی بچت ہی ہوگی۔ امریکی خاتون پتہ نہیں کس مقصد کے لئے ان کے پیچھے لگی۔ ہم ایک امریکی خاتون کو جانتے ہیں اس کی ایک پاکستانی سے شادی ہوئی اس نے بتایا "میرے گھر والوں نے کہا خاوند کے پیچھے پیچھے چلنا لیکن میں کب تک چلتی میرا خاوند پوسٹ مین تھا۔" ہمارے ہاں غیر ملکی لڑکیوں سے شادی کرنا فیشن میں نہیں رہا ہاں کوئی قومی جذبہ سے سرشار ہو کر ایسا کر سکتا ہے جیسے ایک نومولود سیاست دان کے بارے میں کسی نے کہا اس کی ساری عمر یہودیوں سے لڑتے گزرے گی۔ پوچھا "کیسے؟" بولے "اس کی بیوی اور ساس یہودی جو ہیں۔"

صاحب! حالات حاضرہ پر لکھنے میں یہ قباحت ہے کہ حالات کبھی حاضر نہیں رہتے۔

اس بار موسم سرما ہمارے سیکنڈ ہینڈ سیاست دانوں کے لئے موسم شرمانا رہا۔ سوال ان کے سر اب
کوئی سہرا بندھ سکتا ہے تو وہ یہی سہرا ہے۔ پھر سیاست دان اچھے خاوند ہوتے ہیں کیونکہ انہیں
وعدے کرنے کا بڑا تجربہ ہوتا ہے۔ سیاست دانوں کے لئے دوٹی ایک ووٹ ہوتی ہے اور
ووٹ جتنے بھی ہوں اتنے ہی کم ہوتے ہیں سوان سیاست دانوں کو اب پاکستان میرج لیگ میں
آجانا چاہئے کیونکہ قومی جذبے سے تو وہ ہمیشہ "لبالب" رہتے ہیں۔ ہم نے ایک ایسے سیاست
دان سے کہا "پاکستان میں لاکھوں لڑکیاں شادی کی منتظر اور وراثت ہو رہی ہیں ان کے لئے کچھ
کرنا چاہئے" تو وہ بولے "میں حاضر ہوں" یہ الگ بات ہے ایک ماہ بعد ملے تو کہنے لگے "پاکستانی
لڑکیاں تو شادی کرنا ہی نہیں چاہتیں" ہم نے کہا "آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" بولے میں نے
لڑکیوں کو شادی کے لئے کہا سب نے انکار کر دیا۔ "پاکستان میرج لیگ میں کھر صاحب کو بھی
اپنے بے پناہ تجربے کی بنا پر کلیدی عہدہ مل سکتا ہے یہی پارٹی ان کی آخری آرام گاہ ہو سکتی
ہے۔ وہ مردوں کے الزبتھ ٹیلر ہیں۔ الزبتھ ٹیلر کی جب لاری فورٹینکی سے شادی ہوئی تو الزبتھ
کے بیٹے نے نئے باپ سے کہا "براہ کرم میری وزیٹر بک پر دستخط کر دیں۔"

صاحب! اسمبلیاں اور انڈے جلد ٹوٹ جاتے ہیں لیکن ہمارے ہاں شادیاں اکثر اپنی
مدت پوری کرتی ہیں۔ ازدواجی اختلافات سے شادی کمزور ہو تو ہو جمہوریت مضبوط ہوتی ہے
ہمارے ہاں بیوی میاں سے نہ لڑے تو وہ سمجھتا ہے یہ مجھے میاں سمجھتی ہی نہیں۔ ایک ایسے
میاں بیوی کے جھگڑے میں دوست کو گواہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ عدالت نے پوچھا "جب
اصل گڑبڑ شروع ہوئی تب آپ وہاں موجود تھے؟" وہ بولا "بالکل جی میں نے ان کی شادی
میں شرکت کی تھی" پرتگالی کہاوت ہے "شادی اور مکان بنانے سے جیب خالی ہو جاتی ہے مگر
بندے کو عقل آجاتی ہے۔" صاحب! بعد میں عقل آنے سے فائدہ! لیکن یہ بھی حقیقت ہے
کہ شادی کے خلاف جتنا پروپیگنڈا ہے یہ سب شادی شدوں کا کیا دھرا ہے۔ آج بھی کسی
شادی شدہ بندے کو کوئی فقرہ اس فقرے سے زیادہ خوش نہیں کر سکتا کہ آپ شادی شدہ
نہیں لگتے۔ پھر دنیا میں طلاق لینے والے بھی سب شادی شدہ ہی ہوتے ہیں۔ ہم نے ایک ماہر
نفسیات سے پوچھا "سب سے زیادہ ناخوشگوار ازدواجی زندگی کن کی ہوتی ہے؟" کہا "جو شادی
کرتے ہیں" کہا "کنوارے کا مصیبت میں ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہوتا!" شادی شدہ بولا

"مگر اسے مصیبت کیا ہوتی ہے؟" کنوارے اپنی حرکات سے اور شادی شدہ سکنات سے
پہچانے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں شادی روپے کے لئے نہیں کرنا چاہئے کیونکہ روپیہ تو اس سے کم
شرح سود پر بھی مل سکتا ہے۔ پیر پگارہ صاحب کے پاس اللہ اور مریدوں کا دیا بہت کچھ ہے۔
اسی لئے انہوں نے کہا کہ مجھے سلامی میں روپے نہ دیں ڈالر دیں تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ
انہوں نے روپے کے لئے شادی کی۔ ان کی بیوی ورکنگ وومین نہیں جس پر ہمارے ایک پیر
صاحب بولے کہ میری بیوی بھی ورکنگ وومین نہیں یعنی وہ بھی گھر میں سارا دن کوئی کام
نہیں کرتی۔ یاد رہے ہم پیر پگاڑا صاحب کو پیر نہیں جوان سمجھتے ہیں۔ مغرب میں شادی کوئی
مسئلہ نہیں وہاں کی ایک مشہور اداکارہ نے ایک بار کہا "ہمارا ہنی مون اتنا اچھا تھا کہ میں نے
رچرڈ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔" لیکن ہمارے ہاں یہ ایک قومی مسئلہ ہے جس کے لئے
ایسی پارٹی چاہئے تھی چونکہ ان کی لیگ پہلے پہل ہی فنکشنل لیگ تھی جس کے نام سے ہی ظاہر
ہے کہ اس کا مقصد فنکشن کروانا تھا سو انہوں نے پہلا فنکشن اپنی شادی کا کروا کر پارٹی کو فعال
بنا دیا ہے۔ اگر وہ دعوت دیں تو ہم بھی ان کی میرج لیگ میں شمولیت کے لئے تیار ہیں۔

سیاہِ سنگیت

نصرت فتح علی خان ہمارے سب سے بڑے گلوکار ہیں۔ اس کا ہمیں اسی دن یقین آگیا تھا جس دن ہم نے پہلی بار ان کی تصویر دیکھی تھی۔ امریکی مارلن منرو' فرانسیسی برجی باردوت' ہالی وڈ والے راکیل ویلچ اور جاپانی نصرت فتح علی خان کی تصویر آہستہ آہستہ دیکھتے ہیں۔ نصرت فتح علی خان نام کے بھی ڈبل فتح علی خان ہیں لیکن انہوں نے فتح میں ہیٹ ٹرک کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ وہ پاکستان اور بھارت کے اختلافات "سنگیت" کے زور پر ختم

کرا سکتے ہیں۔ صاحب یہ کام کوئی بڑا بندہ ہی کر سکتا تھا وہ تو اتنے بڑے ہیں کہ پچھلے دنوں ایک سکول میں دو بچوں کو مل کر ایک نصرت فتح علی خان بننا پڑا۔ جھگڑے بھی بچوں کی طرح ہوتے ہیں انہیں پالتے رہیں تو بڑے ہو جاتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر بھی پچاس سال کا ہو گیا لیکن اب بھی بھارتی فوجیں وہاں قابض ہیں۔ بچپن میں سنتے کہ کئی لاکھ بھارتی فوجی ہماری سرحد پر کھڑے ہیں تو سمجھتے بھارت میں کرسیوں کی قلت ہو گی جو کھڑے ہیں۔ 1965ء کی جنگ ہوئی تو بھارت اس لئے ہار گیا کہ بھارتی آرمی نے جو ٹینک خریدے ان میں ریورس گیئر نہیں تھے۔ اب بھی وہ سب سے زیادہ آلو اور فوجی پیدا کرنے والا ملک ہے۔ وہاں ایک بھارتی نے دوسرے سے پوچھا "تم نے آرمی جائن کر لی؟" بولا "نہیں، صرف تنخواہ پر گزارا ہے۔" بہر حال اب نصرت فتح علی خاں کی سرکردگی میں سپاہ سنگیت بھارتی فوجیوں کا مقابلہ کرے گی۔ اس سلسلے میں تو بھارت کے یوم جمہوریہ پر نصرت فتح علی خاں گیت آور ہو بھی چکے ہیں پاکستان میں سرفروشوں کی کمی نہیں لیکن زیادہ تر نصرت فتح علی خاں بھارت سرکوبی کے لئے جاتے ہیں۔ پہلی بار جب وہ بھارت گئے تو ان کی پارٹی کے ساتھ پہلوانوں کی ٹیم بھی گئی تھی انہوں نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ بمبئی میں ان کے سپانسر کے بندے نسیم پر رات کو غنڈوں نے حملہ کیا لیکن نصرت فتح علی خاں جب اٹھے غنڈے سمجھے یہی وہ پہلوان ہے جس کی کل کشتی ہے اور وہ ڈر کر بھاگ گئے سو بھارت پر ان کا پہلے ہی بہت دب دبا ہے۔

نصرت فتح علی خاں ہمارا قومی سرمایہ ہیں۔ پچھلے دنوں خان صاحب نے وزن کم کیا تو اخباروں میں ایسی خبریں چھپنے لگیں کہ قومی سرمایہ گھٹ رہا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ جو اونچا سنتے ہیں ان کا پسندیدہ گلوکار شوکت علی تھا نصرت فتح علی خاں کے اس بیان کے بعد وہ نصرت فتح علی خاں کو ہی دیکھنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی نظر کمزور نہیں ہے۔ ویسے تو میوزک دیکھنا نہیں چاہئے اور حسن کو سننا نہیں چاہئے۔ وکٹر ہو گو کہتا ہے "موسیقی میں ہم وہ کہہ پاتے ہیں جو کہا نہیں جا سکتا اور جس پر خاموش بھی رہا نہیں جا سکتا" حالانکہ ہم سمجھتے ہیں بندے کو منہ بند کرنے کا موقع ملے تو اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ نصرت فتح علی خان جیسے آدمی کو باتیں بھی نصرت فتح علی خاں جیسی کرنا چاہئیں۔ ان کی کتاب "نصرت فتح علی خاں" میں لکھا ہے ان کا خاندان قیام پاکستان کے وقت بھارت سے جو ساز و سامان لایا اس میں سامان کم اور

ساز زیادہ تھے۔ قوالی کو تو وہ برقع پہنا کر پاکستان لائے یعنی رائے خورشید تلونڈی نے اپنی عورتوں کو پاکستان بھیجنے کے لئے برقعے پہنا کر بارڈر کراس کروایا تو ان برقعوں میں سے ایک میں قوالی اور نصرت کا باپ فتح علی خان تھا۔ نصرت فتح علی خاں سمجھتے ہیں موسیقی کی سُرحد ہوتی ہے۔ سُرحد نہیں اور ملک کی سَرحد ہوتی ہے سُرحد نہیں۔ انہوں نے موسیقی میں برقعے اور جین کو مکس کر کے میکسی بنائی پاپ میوزک تو موسیقی کا عسکری ونگ ہے اسے سن کر لگتا ہے تجریدی پینٹنگ کی طرح تجریدی موسیقی بھی ہوتی ہے۔ پاپ میوزک میں تین خرابیاں ہیں ایک یہ بہت اونچا ہوتا ہے دوسرا اتنا شور ہوتا ہے کہ گانا سنائی نہیں دیتا اور تیسرا یہ کہ یہ پاپولر بہت ہوتا ہے۔ نصرت فتح علی خاں نے مغربی موسیقی اور مشرقی موسیقی کا یوں ملاپ کروایا جیسے ہماری فلموں میں ہدایت کار ہیرو ہیروئن کا کرواتا ہے جیسے محسن حسن خان بنیادی طور پر کرکٹر ہی ہیں فلموں میں بھی ہیروئن کے پیچھے یوں بھاگتے ہیں لگتا ہے فیلڈنگ کر رہے ہیں۔ ایسے ہی نصرت فتح علی خاں گا رہے ہوں تو لگتا ہے فتح کر رہے ہیں۔ وہ بہادر سپاہ سنگیت کے ایف 16 ہیں۔ جیسے ایمانداری کیا ہے صرف ایماندار دکھائی دینے کا فن' ایسے ہی بہادری ہے۔ ہمیں امید ہے ان کی سپاہ ضرور کشمیر آزاد کرائے گی۔ موسیقی میں تو طاقت ہی بڑی ہے۔ مہدی حسن تو کہتے ہیں کہ سرطان کا علاج سرتان سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک زمانہ تھا گلوکار راگ چھیڑتے تو آگ لگ جاتی آج ایسے گلوکار ہوتے تو لائٹروں میں پٹرول کی جگہ ان کے راگ بھرے جاتے لیکن استاد روشنی خان نے خلیج کی جنگ کے دوران بیان دیا تھا کہ یہ جنگ راگوں کو بے وقت چھیڑنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ یہ بات ہمیں اس لیے درست لگی کہ ہمارے محلے میں بھی اکثر لڑائیاں راگوں راگنیوں کو بے وقت چھیڑنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ان دنوں استاد نے کہا تھا کہ اگر مجھے موقع دیا جائے تو میں ایسا راگ چھیڑوں گا کہ عراق کویت خالی کر دے گا اگرچہ اس میں یہ بھی ڈر تھا کہ استاد جی کا راگ پر ہاتھ ذرا سخت پڑ گیا تو کویتی ہی کویت نہ خالی کرنے لگیں۔ پھر امریکہ خود کویت "خالی" کرنا چاہتا تھا ورنہ استاد روشنی کے لئے یہ کوئی بڑا کام نہ تھا وہ ایسے کئی کارنامے سرانجام دے چکے ہیں ہمارے ایک شاعر نے اپنے گھر محفل موسیقی پر استاد روشنی خان کو بلایا استاد نے پوچھا "کیا گاؤں؟" تو اہل خانہ نے کہا "استاد جی جو مرضی سنائیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہمیں تو ساتھ والا مکان ہی خالی کروانا ہے۔"

ان کے بڑے قدر دان ہیں وہ تو جو ہار مونیم ہفتہ استعمال کر لیں محلے والے اسے کئی گنا قیمت پر خریدنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ استاد جی کہتے ہیں "موسیقی کا اسلحہ معاشرہ سے بڑا تعلق ہے جس روز میں نے ہار مونیم خریدا اگلے ہی دن میرے ہمسائے نے بندوق خرید لی۔" وہ تو آرگن یوں کہتے ہیں جیسے آر...... گن کہہ رہے ہوں وہ فرماتے ہیں "خلیج کی جنگ میں نے راگوں سے بند کروائی" واقعی جس دن ان کا ریاض بند ہوا محلے والوں کو لگا واقعی جنگ بند ہو گئی۔ استاد نصرت فتح علی خان تو ان سے بھی بڑے استاد ہیں سو ہمیں امید ہے وہ جلد ایسا راگ چھیڑیں گے جس سے بھارت مقبوضہ کشمیر سے نکل جائے۔

عارضی عارضہ

صاحب! ہمیں اشفاق احمد کے ڈرامے' پکاسو کی پینٹگز' پیر پگاڑہ کی باتیں اور فاروق لغاری کی خاموشی بہت متاثر کرتی ہے اور بھی بہت سی چیزیں جو ہمیں سمجھ نہیں آتیں بھلی لگتی ہے۔ صدر فاروق لغاری صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں خوش کرنے کے لئے باتیں کرنا ضروری نہیں' انہیں تو بندہ کانوں سے خوش کر سکتا ہے۔ سو جب انہوں نے فرمایا کہ ملک معراج خالد صاحب فلسفی ہیں تو ہم نے فوراً مان لیا حالانکہ ہم خود کئی بار ملک صاحب

سے مل چکے ہیں اور ہمیں کبھی ان کے فلسفی ہونے کا شبہ نہیں ہوا' ٹھیک ٹھاک گفتگو کرتے ہیں۔ ہم پاکستانیوں کے فوری یقین کر لینے کی عادت پر ایک سیاستدان نے کہا تھا ''جب لوگ میری بات پر فوراً یقین لے آتے ہیں تو کبھی کبھی میں خود تذبذب کا شکار ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری بات درست تو نہیں۔''

ملک معراج خالد صاحب کی تعریف کرتے ہم نے انہیں بھی سنا ہے جنہوں نے کبھی ایٹم اور مالیکیول کی تعریف ٹھیک سے نہیں کی۔ ملک صاحب اتنے بڑے آدمی ہیں کہ وہ غریبوں سے نہیں امیروں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ غریبوں سے تو وہ بے اختیار محبت کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ غریب بااختیار محبت چاہتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے سیاست دان بھی سادگی اور ایمانداری اپنانے کا سوچ رہے ہیں کیونکہ سیاستدان اقتدار حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ ایمانداری بھی۔ پھر سیاستدانوں کو پاکستان میں ترقی کے یکساں مواقع ملتے ہیں مجھے دیکھ لیں پچھلے سال مجھے ایجوکیشن کے سپیلنگ نہ آتے تھے اور اس سال میں ایجوکیشن منسٹر ہوں۔'' ملک معراج خالد جب وزیر اعلیٰ تھے تو کسی نے ذوالفقار علی بھٹو سے کہا ''معراج خالد صاحب بہت تنگ کرتے ہیں'' بھٹو صاحب نے پوچھا ''کیا کہتے ہیں؟'' وہ بولا ''کچھ کہتے ہی نہیں'' لیکن جب سے وہ وزیر اعظم بنے ہیں بہت تقریریں کر رہے ہیں لیکن لوگ پھر بھی یہی کہتے ہیں ''کچھ کہتے ہی نہیں!'' ان سے لوگوں کو اتنی امیدیں ہیں کہ وہ تو چائے کا آرڈر بھی دیں تو ہم سمجھتے ہیں دکھی انسانوں کے لئے پیکیج کا اعلان کر رہے ہیں لیکن کوئی مسئلہ ان کے پاس لے جاؤ تو ان کی باتیں سن کر لگتا ہے وزیر اعظم وہ نہیں آپ ہیں۔

فلاسفر وہ ہوتا ہے جو مسئلے کو یوں حل کرے کہ لوگ اس حل کے بعد کہیں کہ اس سے تو مسئلہ ہی اچھا تھا۔ فلاسفر رابرٹ زینڈ کہتا ہے بحیثیت فلاسفر میرے پاس ہر حل کے لئے ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ ہمیں فلسفے پر یہی اعتراض ہے کہ ہمیشہ وہ لوگ فلسفی ہوتے ہیں جنہیں نہیں ہونا چاہئے اور وہ فلسفی نہیں ہوتے جنہیں ہونا چاہئے۔ ملک معراج خالد صاحب تو عوام کی خوشیوں اور غموں کے ساتھ ہیں خوشیوں میں عوام کا ساتھ دینے کیلئے وہ شادیوں میں شرکت کرتے ہیں اور غموں میں شامل ہونے کے لئے کابینہ کے اجلاسوں میں...... شادیوں

پر چونکہ وزیر اعظم صاحب کو تین بار جانا پڑتا ہے ایک بار وقت پر دوسری بار بارات آنے پر اور تیسری مرتبہ کھانے پر۔ سو فیصلہ کیا گیا کہ شادی آرڈیننس کے ذریعے شادیوں پر کھانا دینے کی پابندی لگا کر لوگوں کا پیسہ اور وزیر اعظم صاحب کا وقت بچایا جائے تاکہ وہ اور شادیاں بھگتا سکیں حالانکہ ملک صاحب صرف دو قسم کے لوگوں کی شادیوں پر جاتے ہیں ایک وہ جن کی لڑکی کی شادی ہو اور دوسرے وہ جنکے ہاں لڑکے کی شادی ہو۔ شادیوں پر جو کم کھائے اسے لوگ دولہا سمجھنے لگتے ہیں۔ کھانوں میں ملک صاحب کو صرف تین کھانے پسند ہیں ایک بریک فاسٹ' دوسرا لنچ اور تیسرا ڈنر...... ایک فلاسفر کہتا ہے "فلاسفر وہ ہوتا ہے جو اس کی پروا نہ کرے کہ میرے توس پر کس رخ سے مکھن لگایا جاتا ہے کیونکہ وہ اسے دونوں رخوں سے کھاتا ہے۔"

سیاست اور فلسفے میں قدر مشترک ہے کہ سیاستدان اور فلسفی اتنا ہی بڑا ہوگا جتنا بڑا وہ مسئلہ اٹھائے گا اگرچہ ولیم لپ مین نے کہا ہے "جب فلاسفر سیاستدان بننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ فلاسفر نہیں رہتا۔" ہمارے بیشتر سیاستدانوں کے سر چمکتے ہیں مگر صرف باہر سے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس بار ایک ایسے ہی سیاستدان انتخابی مہم کے سلسلے میں اپنے حلقے میں گئے تو لوگوں نے ٹماٹروں اور انڈوں سے استقبال کیا کچھ ناراضگین زدوکوب پر اتر آئے۔ ایک نوجوان نے موصوف کو مشتعل ہجوم سے نکالا تو انہوں نے اس نوجوان سے کہا "تم نے مجھے بچایا بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کروں؟" تو وہ بولا "مجھے کچھ نہیں چاہئے بس کسی کو یہ بتانا مت۔" ہماری بدقسمتی یہی رہی کہ ہمارے ہاں سیاستدانوں کو تب تک تو پتہ ہوتا ہے کہ حکومت کیسے چلانا ہے جب تک وہ حکومت چلانے نہیں لگتے ویسے تو ہم سب مانتے ہیں کہ اس ملک کو خدا چلا رہا ہے پھر حکومت کی شکایت پتہ نہیں کیوں کی جاتی ہے؟ جو بندہ ہمارے مسائل اور مشکلات توجہ اور غور سے سن رہا ہو ہمیں اس پر غیر ملکی ایجنٹ ہونے کا شک ہونے لگتا ہے شاید اسی لئے ایک سیانے نے کہا تھا "میں جب بھی مصیبت میں ہوتا ہوں تو یہ سب اپنے دشمنوں کو بتاتا ہوں کیونکہ یہی وہ ہوتے ہیں جو مکمل تفصیل کے ساتھ یہ سب سننا چاہتے ہیں" فلسفی سیاست دان ہمارے ہاں ہی نہیں ہوتے ایک امریکی سنیٹر کا واقعہ ہے ایک پریس کانفرنس میں اچانک پاس کھڑے ایک صحافی نے پوچھ لیا "آپ

نے اپارشن بل کا کیا کیا ہے؟" تو وہ یک دم گھبرا کر سرگوشی میں بولے "یہ ایسی باتیں کرنے کی جگہ نہیں شام تک بل ادا کر دوں گا۔"

پلاٹو نے نگران حکومت کے بارے میں قبل مسیح میں کہہ دیا تھا جب تک فلاسفر بادشاہ نہیں نسل انسانی کو لاحق امراض کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ فریڈرک دی گریٹ نے تو اور بھی گریٹ بات کی ہے، فرماتے ہیں "میں جس صوبے کو سزا دینا چاہتا ہوں اس کا گورنر فلاسفر بنا دیتا ہوں" لیکن پاکستان وہ ملک ہے جس میں ہر صدر چاہتا ہے اسے فلاسفر وزیراعظم ملے اور یہی خواہش وزیراعظم کی صدر کے بارے میں ہوتی ہے۔

اگرچہ ملک صاحب کا یہ عارضہ عارضی ہے پھر بھی فلسفی ہونے میں ایک قباحت یہ ہے کہ بندہ ایک بار ہو جائے پھر چاہے لوگوں کے مسئلے حل بھی کرنے لگے پھر بھی لوگ اسے فلسفی ہی کہتے ہیں جیسے بقول یوسفی آدمی ایک بار پروفیسر ہو جائے تو عمر بھر پروفیسر ہی کہلاتا ہے خواہ بعد میں وہ سمجھداری کی باتیں کرنے لگے۔
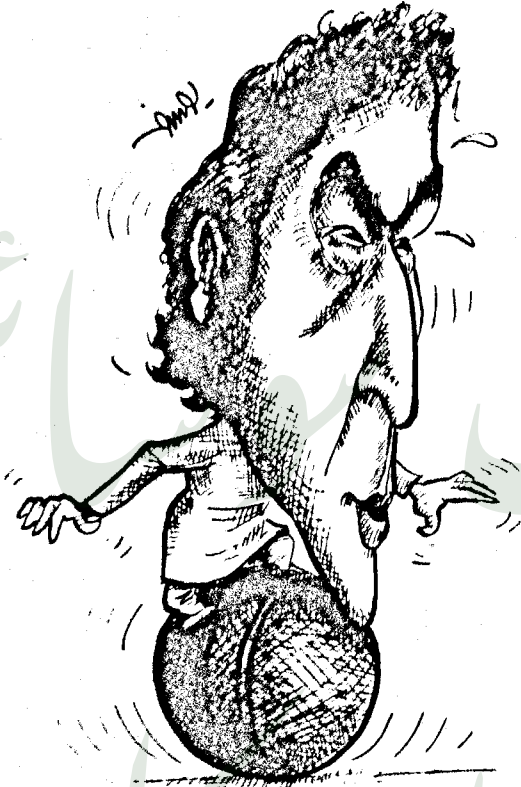
چندہ ماموں

ہم عرصہ سے یہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ آخر عمران خان نے غیر ملکی لڑکی سے ہی شادی کیوں کی؟ ہمیں پتہ ہے آج کل گھروں میں امپورٹڈ چیزیں رکھنے کا فیشن ہے پھر باہر کی بنی مصنوعات زیادہ دیرپا ہوتی ہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں ہم نے عمران کے قریبی حلقے سے بات کی اور کہا کہ آپ نے عمران کو سمجھایا کیوں نہیں تھا؟ تو انہوں نے ہمیں وہی جواب دیا جو ہالی وڈ کی ایک ایکٹریس نے دیا تھا۔ اداکارہ سے کسی نے پوچھا "آپ کے دادا شادی

کر رہے ہیں آپ نے انہیں سمجھایا کیوں نہیں؟" تو وہ بولی بڑا سمجھایا تھا ورنہ وہ تو اب بھی
نہیں کر رہے تھے۔ عمران کی شادی پر انگلینڈ میں بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا کیونکہ وہاں کبھی
کبھی تو کوئی شادی کرتا ہے ویسے برطانیہ میں شادیوں کو اتنی ہی اہمیت دی جاتی ہے جتنی ہماری
ہاں سیاست دانوں کو۔ پچھلے سال ایک سروے رپورٹ میں بہت سے انگریزوں نے کہا کہ وہ
شادیاں اس لئے نہیں کرتے کیونکہ نکاح نامہ بڑا لمبا اور مشکل ہے۔ سو میرج ایکٹ 1996ء
میں 49 مشکل الفاظ کی جگہ 30 آسان الفاظ استعمال کئے گئے تاکہ لوگوں کو ان کے استعمال کی
ترغیب ہو۔ اس کے باوجود وہاں کی اکثریت کا یہ نظریہ ہے کہ شادی مڈل ایسٹ کی طرح ہے'
اس کا کوئی پرامن حل نہیں۔ عمران نے جمیمہ سے محبت کی شادی کی۔ محبت انسان کو اندھا
کر دیتی ہے اور پھر شادی یہ بینائی لوٹاتی ہے۔ عمران خان بڑے بینا آدمی ہیں' یہ ہمیں جمیمہ کا
انٹرویو پڑھ کر پتہ چلا وہ کہتی ہیں "اگر عمران خان کی شادی کسی پاکستانی لڑکی سے ہو جاتی تو
دوسری چیزوں کی طرح اپنی بیوی کو بھی اسپتال کو بطور عطیہ دے دیتے" عمران خان جنہیں
پہلی بار کسی نے کہا میں عطیہ بھیج رہا ہوں تو وہ سمجھے کسی محترمہ کو بھیج رہا ہے لیکن عطیہ
خداوندی سے آج وہ پاکستان کے چندہ ماموں ہیں۔ پچھلے دنوں لندن کے ایک میگزین میں
چھپنے والی عمران کی تصویر دیکھ کر ایک صحافی نے کہا "یہ عمران کی تصویر نہیں لگتی" ہم نے کہا
"تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" بولے "اس میں تو عمران نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال رکھے ہیں۔"
لوگوں نے عمران کے ہاتھ میں اپنی جیبیں ڈال دیں۔ وہ غیر ملکی کرنسی میں اسپتال کو عطیہ نہ
کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کئی لوگوں نے ان کے اسپتال کو غیر ملکی بیویاں دی ہیں۔
ہمارے ایک قریبی دوست نے اپنے ملکی سسر کی غیر ملکی بیوی اسپتال کو دی اس کی ساس کینسر
میں مبتلا تھی۔ اگرچہ وہ موصوف خود بھی کینسر میں مبتلا ہیں' ان کی بیوی کا برج کینسر جو ہے۔

ہم سمجھتے تھے چندہ ماموں' سیاست میں اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں سے لے لے کر
انہیں دوسروں کو کچھ دینے کی عادت نہیں رہی اور سیاست واحد فیلڈ ہے جس میں آپ کو
لوگوں کو کچھ دینا نہیں ہوتا۔ سیاست دان وہ ہوتا ہے جو آپ سے سو روپیہ لے کر آپ کو
پچاس روپے واپس دے کر اعلان کرے کہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں ہم دونوں کو پچاس پچاس
کا نقصان ہوا ہے۔ سیاست دان جب حکومت سے باہر ہوں تو عوام سے چندہ مانگتے ہیں اور

حکومت میں جا کر ٹیکس۔ ہو سکتا ہے جمیمہ نے یہ اس لئے کہا ہو کہ لوگ کہنے لگے تھے عمران خان تو کسی کو یہ بھی نہیں کہتے کہ "لو ہاتھ" کہتے ہیں "دو ہاتھ۔" احمد راہی اور حبیب جالب سر راہے گپ شپ کر رہے تھے کہ ایک فقیر آ کر مانگنے لگا تو احمد راہی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "کب سے مانگ رہے ہو؟" بولا "سات سال سے" پوچھا "تمہیں پتہ ہے تم سات سالوں سے فقیر کے فقیر کیوں ہو؟" بولا "نہیں۔" احمد راہی نے کہا "اس لئے کہ تمہیں یہ پتہ نہیں کس سے مانگنا ہے اور کسے دینا ہے۔" ہمارے عوام اسی لئے فقیر کے فقیر ہیں۔ عمران خان اور دوسرے سیاست دانوں میں یہ فرق ہے کہ دوسرے لوٹتے ہیں' عمران کو لوگ ابھی تک خود دے رہے ہیں۔ پاکستان کرپشن میں دوسرے نمبر پر ہے اسے پہلے نمبر پر آنے کے لئے دو تین کرپٹ سیاست دان اور چاہئے تھے کہ اسمبلی ٹوٹ گئی۔ اب کہا جا رہا ہے اسے منتخب کریں جس نے کرپشن نہ کی ہو۔ جن دنوں ہم ٹی وی پر ایک شو کی کمپیئرنگ کرتے تھے ایک پہلوان نے کہا میرا انٹرویو کرو میری عمر ساٹھ سال ہے اور میں آج تک ایک دنگل بھی نہیں ہارا۔ ہم نے پوچھا "آپ کے کبھی نہ ہارنے کا راز کیا ہے؟" بولے "میں نے کبھی کشتی لڑی ہی نہیں اس لئے کوئی مجھے ہرا نہیں سکا۔" سو صاحب عمران خان بھی کلین مین ہیں ابھی تو وہ عوام ہی سے مانگ رہے ہیں پتہ تو تب لگے گا جب عوام ان سے مانگیں گے۔

اگرچہ جمیمہ خان کے اس بیان سے تو لگتا ہے وہ اتنے پاکستانی ہیں کہ خود اسپتال کو صرف پاکستانی چیزیں دیتے ہیں اور پاکستانی بیویوں کو بھی چیزوں میں شامل کرتے ہیں۔ اس پر ان پاکستانی لڑکیوں کو خوش ہونا چاہئے جو عمران سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور نہ ہو سکی۔ شاید اسی لئے کسی سیانے نے کہا ہے "شادی شدہ عورت کے خوش رہنے کے سو طریقے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی لسٹ بنائے جن سے اس کی شادی ہو سکتی تھی اور پھر خوش ہو کہ نہیں ہوئی۔" ہمیں یقین ہے پاکستانی خاوندوں کی طرح عمران بھی جمیمہ کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے چاہے اس میں سسر کی پائی پائی خرچ ہو جائے ویسے ہو سکتا ہے جمیمہ خان نے یہ کہہ کر پاکستانی بیویوں کی وفا شعاری اور خاوند کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے کے جذبے کی تعریف کی ہو یا پھر عمران کو یاد دلایا ہو کہ میں پاکستانی بیوی نہیں ہوں۔

آپریشن کلین شیو

بظاہر تو انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں' ایک وہ جو مرد ہوتے ہیں اور دوسرے جو مرد نہیں ہوتے۔ اگرچہ انسانوں کو تقسیم کرنے کے اور بھی کئی طریقے ہیں لیکن جیسے چینی دانشوروں نے کہا ہے لڑائی کے 370 پینترے ہیں ان میں جو پینترا سب سے کار آمد بتایا گیا وہ ہے "بھاگ لو۔" ایسے ہی ہمارے ہاں گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے انسانوں کی دو قسمیں بتائی ہیں' ایک وہ جن کی مونچھیں ہوتی ہیں اور دوسرے وہ جن کی نہیں ہوتیں۔ گاؤں میں تو

مونچھیں منڈوا کر پھرنے سے بے پردگی ہوتی ہے اور بڑے بوڑھے اس کا برا مناتے ہیں کیونکہ ان کی نظریں اتنی کمزور ہوتی ہیں کہ انہیں مونچھیں دیکھ کر ہی یہ اندازہ لگانا ہوتا ہے کہ ''آیا ہے یا آئی ہے۔'' میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد سے کچھ ایسی ہی دشواری ہمیں بھی پیش آ رہی ہے۔ ہمیں تو محترمہ بے نظیر بھٹو کی کلین شیو آصف زرداری کے ساتھ ایک تازہ تصویر دکھا کر ایک صحافی یہ پوچھتا رہا کہ بتاؤ ان میں آصف زرداری کون ہے؟ ہمیں تو مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد پاکستانی سیاست میں جو تبدیلی نظر آئی ہے وہ یہی ہے کہ آصف زرداری صاحب کلین شیو ہو گئے ہیں چونکہ ہم سمجھتے ہیں فلموں، بچوں اور سیاست دانوں کو صرف دیکھنا چاہئے، سننا نہیں بلکہ ہمیں جن چیزوں کا کبھی اعتبار نہیں رہا ان میں کتے کے دانت گائے کے سینگ، عورت کی ہنسی اور سیاست دانوں کے بیان شامل ہیں۔ لیکن اب تو لگتا ہے ان کی شکل پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکے گا۔ آصف زرداری کی شکل کلین شیو ہونے کے بعد اتنی بدل گئی ہے کہ ان کے گھوڑے تک ان کو پہچان نہیں سکتے، انہیں بھی بتانا پڑتا ہے۔

پاکستان میں اب دو ہی کلاسیں ہیں ایک اپر کلاس اور دوسری لوئر کلاس، غلام حیدر وائیں کے دور تک تو سیاست میں مڈل کلاس ہوتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کوئی وائیں صاحب سے کہتا کہ سنا ہے آپ مڈل کلاس سے ہیں تو وہ کہتے نہیں میں نے تو میٹرک کر لیا تھا۔ مڈل کلاس تو اب ریلوے میں بھی نہیں رہی۔ اپر کلاس آصف زرداری سے شروع ہوتی ہے۔ اس نے ثابت کیا کہ ہر بڑے مرد کے پیچھے ہی ایک عورت نہیں ہوتی، ہر بڑی عورت کے پیچھے بھی کم از کم ایک مرد ضرور ہوتا ہے۔ ان کا زردار قول ہے کہ ہاکی بائی ٹیکنیک، فٹ بال بائی پاور، کرکٹ بائی لک، لٹریچر بائی لائف اور پالیٹکس بائی وائف ہے۔

آصف زرداری صاحب کا چہرہ ہی نہیں سیاست بھی مونچھوں والی تھی۔ ہمیں یہ حیرانی ہے کہ مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد زرداری نے اپنی مونچھیں خود کیوں منڈوائیں؟ کچھ کہتے ہیں یہ سب حفاظتی اقدام کے طور پر کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ٹھیک بھی ہو کیونکہ اکثر لوگ شادی کے بعد کلین شیو کر لیتے ہیں۔ ویسے جب سے ہمیں یہ پتہ چلا کہ مرد اول نے اپنی حفاظت کے لئے کلین شیو کر لی ہے تب سے ہمیں اپنی مونچھوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کیونکہ پاکستان میں جیسے حالات ہیں اس حساب سے تو ہمیں بھی کلین شیو کروا ہی لینا

چاہئے۔ ویسے ہم سوچتے ہیں اگر آصف زرداری کو لوگوں سے چھپنا ہی تھا تو وہ اپنی مونچھوں میں چھپ جاتے کیونکہ وہ اتنی بڑی تھیں کہ لگتا چہرے پر مونچھیں نہیں اگیں' مونچھوں پر چہرہ اگا ہوا ہے۔ وہ وزیراعظم ہاؤس میں بعد میں داخل ہوتے مونچھیں پہلے داخل ہو جاتیں' بلال ہاؤس میں کوئی بچہ شرارت کرتا تو سزا کے طور پر اس کا منہ چومتے۔ نواز دور میں جب انہیں جیل ہوئی تو انہوں نے کلین شیو کر لی' ہم سمجھتے چونکہ مونچھیں مرد کا زیور ہوتی ہیں اور جیل میں زیور رکھنے کی اجازت نہیں سو ممکن ہے انہوں نے مونچھیں جمع کروا دی ہوں اور جیل سے نکلتے وقت واپس حاصل کر لیں گے۔ یہی ہوا جب وہ رہا ہوئے تو مونچھیں ان کے چہرے پر تھیں سو ممکن ہے اس بار انہوں نے احتیاطاً پہلے ہی چہرے کا زیور جمع کروا دیا ہو۔ اگرچہ وہ گرفتاری سے نہیں ڈرتے بس اتنا چاہتے ہیں جہاں سے انہیں گرفتار کیا جائے وہاں وہ موجود نہ ہوں۔ جیل انہیں اچھی لگتی ہے لیکن ہر وہ چیز جو اچھی لگے اس میں رہا تو نہیں جا سکتا' انہیں تو اصطبل بھی اچھا لگتا ہے۔ مرتضیٰ کے قتل کے بعد آصف زرداری نے آنکھیں بھی بدل لی ہیں۔ پہلے لوگوں کی آنکھوں میں شرم و حیا ہوتی تھی' آج کل کنٹیکٹ لینز ہوتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں عینک چہرے کا لباس ہے اسی لئے آصف زرداری صاحب عورتوں سے باتیں کرتے ہوئے عینک اتار دیتے تھے۔ اب تو انہوں نے لینز لگوا لیے ہیں۔ جہاں تک کلین شیو کرنے کی بات ہے ہمیں لگتا ہے چونکہ انہیں پتہ تھا مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد ان کی مصروفیات بہت بڑھ جائیں گی اور مونچھیں تراشنے کا وقت نہ ملے گا سو انہوں نے کلین شیو کر لی۔ مونچھیں تراشنا ایک فن ہے۔ بندہ یہ کام ساری زندگی بھی کرتا رہے تب بھی اس میں ماہر نہیں ہو سکتا۔ مونچھیں تراشنے والا جیب تراش کی طرح ہوتا ہے کہ ذرا سی غلطی ہو جائے تو دونوں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔ مونچھیں تراشنا دراصل توازن برقرار رکھنے کا نام ہے' دنیا کی پہلی کلین شیو اس دن ہوئی جب مونچھیں تراشنے والے سے ایک مونچھ چھوٹی رہ گئی اور دوسری بڑی۔ بڑی کو چھوٹی کرنے کی کوشش کی تو چھوٹی بڑی ہو گئی اور یوں ہوتے ہوتے کلین شیو ہو گئی۔ پتہ نہیں آصف زرداری صاحب کا توازن کیسے بگڑا کہ ان کی بھی کلین شیو ہو گئی ہے۔

مولانا مسلسل

آج کل پاکستان میں ہر طرف احتساب کا راج ہے ہر کوئی مطالبہ کر رہا ہے کہ دوسروں کا احتساب کیا جائے اب تو بیویاں تک دیر سے گھر آنے والے خاوندوں کے احتساب کا مطالبہ کرنے لگی ہیں۔ وہ تمام رہنما جو عرصہ سے اپنے گھروں میں تھے اور گھروں سے اس لیے نہ نکلتے کہ وہاں سے نکلتے ہی ان کے لئے علاقہ غیر شروع ہو جاتا۔ آج کل اعلان کر رہے ہیں کہ اگر احتساب نہ کیا گیا تو وہ لاکھوں کارکنوں کے ساتھ

نگران حکومت کے خلاف احتجاج کریں گے آج کل لاہور میں لاکھوں کو اکٹھا کرنا بڑا آسان ہو گیا ہے آپ دوپہر کے وقت دس پندرہ ساتھیوں کے ساتھ بینر لے کر مال روڈ پر آجائیں۔ دو منٹ ریگل چوک میں رکیں چاروں طرف ٹریفک رکنے سے یوں لگے گا حد نظر تک آپ کے کارکن احتجاج کے لئے کھڑے ہیں۔ ان ''مارچوں'' میں سے ایک مارچ مولانا طاہر القادری صاحب نے دس لاکھ افراد کے ساتھ کیا' چونکہ ہماری گنتی کمزور ہے اس لئے ہمیں پکا پتہ نہیں افراد دس لاکھ تھے یا دس لاکھ سے تین چار زیادہ تھے۔ بہر حال اگلے دن جو اخباروں میں چھپا اس سے لگتا ہے مولانا نے مارچ کور کرنے والے ہزاروں رپورٹروں کو بھی مارچ کی گنتی میں شامل کر لیا ہے یا پھر رپورٹروں کو دس گیارہ ہزار سے اوپر گنتی ہی نہیں آتی ہم چونکہ مہدی حسن' عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی' مولانا فضل الرحمٰن' بشریٰ رحمٰن اور علامہ طاہر القادری صاحب کے بڑے فین ہیں۔ اس لئے ہم یہی کہتے ہیں کہ افراد دس لاکھ ہی تھے۔ اخباروں نے مارچ سے بڑی خبر یہ لگائی کہ طاہر القادری صاحب نے دس مرتبہ یہ کہہ کر تقریر جاری رکھی کہ میں آخری بات کہہ رہا ہوں اس پر ہمیں ان کے ایک معتقد نے بتایا کہ اخبار صریحاً جھوٹ لکھتے ہیں علامہ صاحب نے ہرگز دس مرتبہ یہ کہہ کر اپنی بات جاری نہیں رکھی کہ وہ آخری بات کہہ رہے ہیں انہوں نے یہ صرف نو مرتبہ کیا۔ لیکن اخبارات ایسے ہی اعداد و شمار بڑھا چڑھا کر بیان کرتے رہتے ہیں۔ ہم مولانا طاہر القادری صاحب کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ ہم نے آج تک انہیں سیاست دان نہیں کہا جس پر کئیوں نے کہا کہ ہم طاہر القادری صاحب کی صلاحیتوں کے اعتراف میں بخل سے کام لے رہے ہیں۔ ہم مانتے ہیں مولانا جس رفتار سے مسلسل بولتے ہیں اس رفتار سے تو ہم سن بھی نہیں سکتے۔ ان میں اور بھی سیاست دانوں والی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ زیادہ بولتے ہیں کم سنتے ہیں۔ قائداعظم کے فرمان کام کام اور صرف کام کی بڑے کام کی تصویر ہیں۔ بہت کم سوتے ہیں یہ پتہ کرنا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں بہت آسان ہے۔ آپ کو ان کے پاس بیٹھے پانچ منٹ ہو جائیں اور وہ نہ بولیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ لوگ تو صرف جاگتے ہوئے کام کرتے ہیں یہ سوئے ہوئے بھی فارغ نہیں

ہوتے۔ خواب ملاحظہ فرما رہے ہوتے ہیں۔ خوابوں کا سلسلہ بھی عجیب ہوتا ہے گورباچوف نے ایک بار کسی کو کہا مجھے بڑی پریشانی ہے رئیسہ گورباچوف روز سوتے میں یہ خواب دیکھتی ہے کہ اس کی کسی امریکی سے شادی ہو رہی ہے تو سننے والے نے کہا کہ اس وقت تک پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جب تک وہ یہ خواب جاگتے ہوئے نہیں دیکھتی۔ علامہ صاحب جاگتے ہوئے خواب دیکھتے ہیں۔ لیکن ہم تو ان کو زرداری عمر کی دعا بھی دے نہیں سکتے ان کی زبان کو ہی یہ دعا دے سکتے ہیں۔ درازی عمر کی دعا بھی دے نہیں سکتے کیونکہ انہوں نے اپنے ایک خواب کے حوالے سے کہہ رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے میری عمر 63 سال مقرر کی جو حضور پاکؐ نے بڑھا کر 66 کر دی لیکن میں نے قبول نہ کی اور عرض کیا کہ 63 برس سے زیادہ زندہ رہنا نہیں چاہتا کیونکہ اس طرح عمر کے سلسلے میں سنت نبوی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہوں اور حضورؐ نے مان کر 63 کر دی۔ شاید اسی لئے علامہ صاحب نے کئی گارڈز رکھے ہوئے ہیں تاکہ ان کی عمر 63 تک ہو سکے۔ مولانا تقریر فرما رہے ہوں تو جن کو آواز نہیں آ رہی ہوتی سمجھ انہیں بھی آ رہی ہوتی ہے۔ دوران گفتگو ہم نے کسی کو ان سے اختلاف کرتے نہیں دیکھا جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ دوران گفتگو وہ کسی اور کو بولنے کا موقع نہیں دیتے لمبی تقریر اس لئے کرتے ہیں کہ مختصر تقریر کے لئے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ ایک زمانے میں ان کی تقریر ٹی وی پر نشر ہونا تھی دو تین بار یلپ چلا کہ آج شام کو مولانا کی تقریر نشر ہوگی اس پروگرام کے پروڈیوسر نے کہا کہ مجھے اس تقریر کی تعریف میں اتنے خط موصول ہوئے کہ میں پریشان ہو گیا۔ ہم نے عرض کیا ''اس میں پریشانی کی کیا بات تھی؟'' بولے ''دراصل عین وقت پر بوجوہ مولانا کی تقریر ٹیلی کاسٹ نہ کی جا سکی تو اتنے خط آئے اگر تقریر ہو جاتی تو پھر کتنے آتے!'' سو صاحب ہم تو تب سے مانتے ہیں کہ علامہ صاحب کے فینز نصرت فتح علی خان صاحب سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر علامہ صاحب کہیں کہ مجھے خوبصورت چہرہ دیکھے دیر ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انہیں شیشہ دیکھے گھنٹہ ہو گیا اگر وہ یہ کہیں کہ کسی اہل علم کی گفتگو سنے دیر ہو گئی تو مطلب یہ ہے کہ وہ کافی دیر سے چپ ہیں۔ بہر حال انہوں نے احتساب مارچ شروع

کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اور چپ نہیں رہ سکتے۔ لیکن ہمیں یہ سمجھ نہیں آتی
سب احتساب صرف مال روڈ پر آکر ہی کیوں کرتے ہیں؟ ہمیں تو مال روڈ
الاحتساب لگنے لگا ہے۔اب تو گانے والوں نے بھی ''جنوں'' دکھانا شروع کر دیا ہے اور
مال روڈ پر احتساب واک شروع کر دی ہے لیکن ہمیں تو لگتا ہے یہ سب لوگ عوام کا
احتساب کر رہے ہیں۔ سڑکیں بلاک کر کے عوام کو گھنٹوں لٹکائے رکھتے ہیں۔ ہمارا تو
یہی مطالبہ ہے کہ سب سے پہلے لاؤڈ سپیکروں اور احتساب جلوسوں سے عوام کو تنگ
کرنے والوں کا احتساب ہونا چاہئے۔

قابلیت اور کابلیت

صاحب اب تو سٹوڈنٹ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ ہم نے ایک صاحب سے پوچھا "کیا آپ سٹوڈنٹ ہیں؟" تو وہ بولے "نہیں یہ تو جلدی میں مجھے قمیص کا اوپر والا بٹن بند کرنا یاد نہیں رہا۔" البتہ اب بھی کوئی سٹوڈنٹ یہ کہے کہ تھانے میں اس پر کوئی کیس درج نہیں تو ہم یہی سمجھتے ہیں یہ پابندی سے کالج نہیں جاتا۔ آج کل دنیا میں دو قسم کے طالب علم مشہور ہیں ایک جو اپنی قابلیت کی وجہ سے جانے جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو "کابلیت" کی وجہ سے۔

جب ہمیں پتہ چلا کہ طلبہ نے طالبان کے نام سے کابل پر قبضہ کر لیا ہے تو ہم یہ سمجھے کہ امتحان ملتوی کروانا چاہتے ہوں گے لیکن انہوں نے طالب علموں والا صرف ایک ہی کام کیا یعنی لڑکیوں کے سکول بند کر دیئے۔ اگرچہ اس پر بہت احتجاج کیا گیا' بالخصوص لڑکوں نے اسے زیادتی قرار دیا ہے۔ ایک سروے کے مطابق پاکستان میں بھی ہر پانچ میں سے چار عورتیں جاہل ہیں۔ پچھلے دنوں ایک مقامی کالج کی پانچ طالبات سے گفتگو کے بعد ہم اس بات کے قائل بھی ہو گئے۔ اس کے باوجود ہمارے ہاں عورت ٹائٹل رول کر رہی ہے۔ بالخصوص فلموں اور رسالوں کے ٹائٹلز پر۔ لڑکیوں کے سکول بند کرنے کے علاوہ طالبان نے جو اقدامات کئے ہیں انہیں پڑھ کر ہماری وہی حالت ہے جو کمرہ امتحان میں سوال پڑھ کر ہوا کرتی تھی۔ مثلاً انہوں نے حکم دیا ہے کہ کابل میں کوئی مرد ننگے سر باہر نہ نکلے۔ اگرچہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ سر پر پگڑی' رومال' ٹوپی یا چادر اوڑھے۔ مولوی حضرات سے ہم نے اس کی وضاحت اس لئے نہیں چاہی کہ جب مولانا آزاد نے ڈیانا کو دوپٹہ دیا تھا تو کچھ علماء نے کہا چونکہ ڈیانا نے سکرٹ پہن رکھی تھی اس لئے اسے شلوار تحفے میں دینا چاہئے تھی' جتنے منہ اس سے تگنی زبانیں۔ کیونکہ ہمارے اکثر مولوی حضرات کی تین زبانیں ہیں' عربی' اردو اور مادری زبان' جتنے دن ڈیانا پاکستان میں رہی مولوی حضرات متفقہ طور پر یہ نہ بتا سکے کہ اسے کونسا کپڑا دینا چاہئے تھا۔ اگرچہ طالبان چاہتے ہیں آپ لباس جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے پہنیں پھر بھی انہوں نے سر ڈھانپنے کے لئے کسی خاص لباس کی پابندی نہیں لگائی اگرچہ ہر لباس کا اپنا فائدہ ہوتا ہے ٹائی تک کا یہ فائدہ ہے کہ جب اسے گلے سے اتارتے ہیں تو بڑا سواد آتا ہے۔ تاہم طالبان کے اس حکم سے گنجے بہت خوش ہیں کہ پہلے وہ رومال باندھ کر یا ٹوپی پہن کر نکلتے تو لوگ پوچھتے سر کیوں چھپا رہے ہو؟ اب پتہ نہ چل سکے گا کہ دستار کے نیچے کیا ہے؟ کابل میں برسوں کی جنگ میں لوگوں کے گھر تباہ ہو گئے تھے سو ممکن ہے طالبان نے یہ حکم اس لئے دیا ہو کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کے سر چھپانے کا انتظام کرنا چاہتے ہیں۔ افغانستان میں اتنا بردہ ہے کہ پیانو کی ٹانگوں پر بھی غلاف چڑھا رکھا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر مبارک علی ایسے محقق ہیں کہ کوئی ان کو مبارک کہے تو وہ سمجھتے ہیں ان کے کام کی داد دے رہا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جب لوگ لڑائی جھگڑوں سے اس قدر خوف زدہ ہو گئے تو کسی جگہ کو کھلی نہ رہنے

دیتے۔ فرش اور دیواریں ڈھکی رکھتے۔ ان کے خیال میں پردہ شرم کی وجہ سے نہیں خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں تو طالبان شرم کی وجہ سے پردہ کروا رہے ہیں۔ ہر علاقے کے اپنے رسم ورواج ہوتے ہیں کچھ علاقوں میں لوگوں کو کھاتے دیکھنا بھی فحاشی کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی لئے ہمارے ہاں پہلے حکمران چھپ کر کھاتے' اب تو بڑی بے پردگی ہوگئی ہے۔

"مبروت" یونان میں آدمی کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی وہ جو مر جائے۔ فارسی میں یہی سوچ در آئی یعنی "مرد" کا لفظ استعمال کیا جانے لگا جس کا مطلب ہے "جو مر جائے" افغانستان میں مرد سے یہی کام لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں اس طرف امن کی خواہش دوسری طرف کی امن کی خواہش سے ٹکراتی ہے تو جنگ چھڑ جاتی ہے۔ افغانی امن کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہاں جس دن جنگ رکے اس دن امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے لیکن پاکستان اور افغانستان میں تو وہ دو تین سال بعد ہی خود کو دہرانے لگتی ہے۔ وہاں سب اسلامی گروپ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں کیونکہ ہر گروپ اسلامی نظام لانا چاہتا ہے۔ ہم نے ایک دانشور سے پوچھا "ان گروپوں میں فرق کیسے ممکن ہے؟" تو وہ بولے "یہ تو مجھے معلوم نہیں البتہ یہ پتہ کرنا ہو کہ کھیت میں یہ اصل پودا ہے یا جڑی بوٹی تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اسے زور سے پکڑ کر کھینچو اگر وہ باآسانی جڑ سے اکھڑ جائے تو وہ اصل پودا ہے۔" صاحب ہم نے بے ربط باتیں کرنا چھوڑ دی ہیں کیونکہ لوگ ہمیں دانشور سمجھنے لگے تھے۔ ہم اتنا جانتے ہیں طالبان عورتوں کو خزانہ سمجھتے ہیں یعنی چھپا اور دبا کر رکھتے ہیں۔ ایک رپورٹر نے ونسٹن چرچل سے پوچھا "کیا آپ اس پیش گوئی سے اتفاق کرتے ہیں کہ 2000ء کے بعد دنیا میں عورتوں کی حکمرانی ہوگی؟" تو چرچل بولا "ہاں تب بھی وہ ہی حکمران ہوں گی" ایک سیانے کے بقول تو افغانی اس لئے آپس میں لڑتے رہتے ہیں کہ اگر امن ہوگیا تو انہیں اپنے گھروں میں جانا پڑے گا اور وہ عورت کی حکمرانی کے خلاف ہیں۔ بندے کی بیوی کا لباس بندے کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ افغانستان میں پردہ ہے خواتین کو پردے کی وجہ سے روزمرہ کے کاموں میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی تھوڑا بہت مسئلہ ہو سکتا ہے جیسے مصور شفیق فاروقی صاحب نے بتایا کہ ان کی ایک ایرانی مصورہ سے

ملاقات ہوئی جو نقاب پہنتی تھی اور اس میں اسے پینٹنگ کرنے میں کوئی مشکل نہ ہوتی تھی، بس ذرا سگریٹ پینے میں دشواری ہوتی تھی۔ بھارت میں پچھلے دنوں یہ قانون بننے لگا تھا کہ بیویوں کو گھروں میں پورا ہفتہ کام کرنا پڑتا ہے اس لئے ہفتے میں ایک دن کی چھٹی ملنا چاہئے لیکن پھر یہ قانون شاید اس لئے نہ بن سکا کہ بیویاں ڈر گئیں کہ یہ نہ ہو خاوند یہ قانون پاس کروالیں کہ پچاس سال کے بعد بیویوں کی ریٹائرمنٹ بھی ہونی چاہئے۔ لیکن طالبان نے خواتین کے لئے وہ کیا جو کوئی حکومت نہ کر سکی۔ انہوں نے سرکاری ملازم عورتوں کو کام کئے بغیر ماہانہ تنخواہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ ہم نے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ایک ذمہ دار شخصیت سے کہا کہ پاکستان میں بھی ایسا ہونا چاہئے کہ عورتوں کو سرکاری دفتروں میں بغیر کام کئے تنخواہ ملا کرے تو وہ بولے "ہمارے ہاں سرکاری دفتروں میں یہ سہولت مردوں تک کو حاصل ہے آپ صرف عورتوں کی بات کرتے ہیں" پوچھا "پھر کام کیونکر چل رہا ہے؟" بولے "اسی لئے تو کام چل رہا ہے۔" ہمیں ان کی بات پر ایک فلڈ آفیسر یاد آگئے جنہوں نے سیلاب کے دنوں میں کہا کہ دریائے چناب میں پانی کا زبردست ریلا آیا ہے 'پانی خطرے کے نشان سے دو فٹ اوپر آگیا؟ ہم نے پریشان ہو کر پوچھا "اب کیا ہوگا؟" اطمینان سے بولے "پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہم نے انتظام کر لیا ہے وہ اس طرح کہ خطرہ کا نشان پانی سے دو فٹ اونچا کر دیا ہے۔"

دفع 62!

ہماری سیاسی تاریخ وہ ٹریجڈی ہے جو لطیفوں سے بھری پڑی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں جسے لطیفے سمجھ نہیں آتے' اسے سیاست فلم اور امریکی معاشرہ سمجھ نہیں آسکتا۔ انہیں سمجھنے کے لئے کامن سینس سے زیادہ سینس آف ہیومر چاہئے' اگرچہ علماء میں مولانا فضل الرحمٰن کو وہ مقام حاصل ہے جو اداکاراؤں میں مسرت شاہین کو حاصل ہے۔ مسرت کے پیچھے چلنے والوں کی تعداد مولانا سے کسی صورت کم نہیں۔ وہ تو سیاست سے پہلے بھی اکیلی جارہی ہوتی تھی تو دیکھنے والے کہتے تھے

پارٹی جارہی ہے۔ وہ کسی ایک پارٹی کی امیدوار نہیں ہر پارٹی کی امیدوار ہیں۔ وہ کہتی ہیں میں نے ہر رول عوام کی خواہشات کے عین مطابق کیا ہے۔ لیڈر کے رول میں بھی عوام کی توقعات پر پوری اتروں گی۔ ہم سمجھتے تھے مسرت شاہین کا اصل مقابلہ مولانا سے نہیں آئین کی دفعہ 62 سے ہے' لیکن سینیٹر حافظ حسین احمد صاحب نے یہ کہہ کر کہ آئین کی دفعہ 62 پر صرف مسرت شاہین ہی پوری اترتی ہے ہمارے ساتھ مولانا فضل الرحمن کو بھی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں دفعہ 62 مسرت شاہین پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔ اگرچہ کہتے ہیں حافظ حسین احمد صاحب کی نظر کمزور ہے پھر بھی انہوں نے اس کمزوری کو نظر نہیں آنے دیا' ویسے تو انجمن اور مسرت شاہین اتنی بڑی اداکارائیں ہیں کہ ان کی فلمیں کمزور نظر حضرات بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کہتے ہیں مسرت شاہین کی Real Life اور Reel Life میں بڑا فرق ہے۔ مسرت شاہین کی فلموں کا ایک فین اس سے ملنے اس کے گھر گیا تو واپس آ کر اس نے ہمیں حیرانی سے بتایا کہ میں نے اس کے گھر میں کپڑے دیکھے۔ پشتو فلمیں اس کے بغیر ایسے ہی ہیں جیسے نسوار کے بغیر پٹھان۔ سرحدی گاندھی کے بارے میں وائسرائے لارڈ ویول نے کہا تھا اس کی عقل اور انگریزی دونوں کمزور ہیں۔ انگریزی کے علاوہ مولانا کی کسی ملکی و غیر ملکی کمزوری کا ہمیں پتہ نہیں۔ الیکشن سے کئی ماہ پہلے شروع ہونے والے اس دنگل میں بقول عطاء الحق قاسمی' مولانا فضل الرحمن اور مسرت شاہین کھلے میدان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے مسرت شاہین پہلی مرتبہ کھلے میدان میں کسی کا مقابلے کریں گی۔ مولانا اس پر ابھی تک چپ ہیں۔ دو قسم کے لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں' ایک وہ جنہیں موقع پر بات کرنے کی سوجھتی ہے اور دوسرے وہ جنہیں موقع پر بات نہ کرنے کی سوجھتی ہے۔ ایک اداکار نے کہا "مسرت شاہین کے سیاست میں آنے سے سیاسی حالات اتنے کشیدہ نہیں رہیں گے۔" ایسے ہی ایک اداکار کے گھر کے حالات کشیدہ تھے دوست نے مشورہ دیا کوئی افیئر چلاؤ تاکہ ازدواجی زندگی میں پھر سے چارم آ جائے۔ اس نے کہا "میری اداکارہ بیوی کو پتہ چل گیا تو......؟" دوست نے کہا "دقیانوسی باتیں کرتے ہو تو جاؤ پہلے بیوی کو بتا دو۔" اس نے گھر جا کر بیوی سے کہا "ڈیئر میرا خیال ہے ایک افیئر ہمیں پھر سے قریب لے آئے گا" تو وہ بولی "یہ ممکن نہیں میں نے سب کوششیں کر کے دیکھ لی ہیں۔" سو سیاست دانوں نے سب کوششیں کر لی ہیں۔ مسرت شاہین نے فلموں کے بعد اب سیاست میں بھی کھل کر آنے

کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس بار دیانتدار' باکردار اور بے داغ قیادت ہی الیکشن لڑ سکے گی۔ سوان حالات میں سیاست میں نہ کودتی تو کیا اب بھی فلموں میں ہی کودتی۔ وہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی اتنی عزت کرتی ہے کہ کبھی مولانا صاحب سے نہیں ملی۔ وہ تو مخالفین کا بھی یوں احترام کرتی ہے' جیسے ابوالاثر حفیظ جالندھری کے شاگرد ان کا کیا کرتے تھے' حفیظ جالندھری کے شاگرد تو ان کی طرف کمر کر کے کھڑے نہ ہوتے۔ سیاست میں ان کی وہی پذیرائی ہوئی ہے جو ان کی پہلی فلم "دلہن ایک رات کی" کی سرکٹ میں ہوئی تھی۔ اب تو وہ کہہ رہی ہیں سرکٹ کیا' سر کٹ بھی گیا تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ ویسے مسرت شاہین کی ملک گیر الیکشن کمپین کے بعد ہمیں لگتا ہے حلقہ این اے 18 اس کے لئے بہت چھوٹا پڑے گا۔ حلقہ اس جتنا تو وسیع ہونا چاہیے۔ سرحد کے ووٹروں نے تو کہا ہے کہ ہم اسے ووٹوں کی ویلیں کرائیں گے۔ پنجاب کے کئی شہروں کے ووٹرز بھی مسرت شاہین کو ووٹ دینا چاہتے ہیں' کچھ تو جاننا چاہتے ہیں کہ وہ اپنا ووٹ خط میں پوسٹ کریں یا بالمشافہ مل کر پیش کریں۔ اب دیکھتے ہیں مسرت شاہین کیا لائحہ عمل مرتب کرتی ہے۔ وہ ملک بھر سے ووٹ اکٹھے کرنے کے لئے ملک کا جسمانی دورہ کرتی ہے یا اپنے شائقین سے اپیل کرتی ہے کہ صرف میرے حلقے کے لوگ ہی مجھے ووٹ دیں۔

زنان دان

کسی نقاد نے ایک کتاب کے بارے میں لکھا تھا یہ کتاب ان لوگوں کو پسند ہے جنہیں ایسی کتابیں پسند ہوتی ہیں' ایسے ہی آصف زرداری صاحب ان لوگوں کو پسند ہیں جنہیں ایسے لوگ پسند ہوتے ہیں۔ ایک سیانے نے کہا تھا بہت سے لوگ اپنی بیویوں کی وجہ سے سیاست میں آتے ہیں ان کی ازدواجی زندگی پرسکون ہوتی تو سیاست دانوں کی تعداد کم ہوتی لیکن آصف زرداری صاحب کو تو سیاست جہیز میں ملی ہے۔ جب بینظیر حکومت میں

ہوتی ہے تو وہ دنیا کی سیر کرتے ہیں اور جب بے نظیر حکومت ٹوٹتی ہے تو جیل کی۔ پچھلی مرتبہ جب انہیں جیل میں ڈالا گیا تو محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ نے کہا تھا " آصف جیل کے اندر باہر سے زیادہ محفوظ ہے۔ " اس بیان کے بعد تو ہم بھی خود کو جیل سے باہر غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے۔ کیونکہ اگر ایک سابق وزیراعظم کا خاوند جیل سے باہر غیر محفوظ ہے تو ہم جیسے جو کسی کے بھی خاوند نہیں وہ تو بہت ہی غیر محفوظ ہوئے۔ ان دنوں سندھ میں ڈاکوؤں اور دہشت گردوں نے لوٹ مچا رکھی تھی۔ یہ پولیس جو کبھی چوروں' ڈاکوؤں کے پیچھے ہوتی تھی وہ ان کے آگے تھی ان دنوں ہم نے صدر اسحاق سے اپیل کی تھی کہ لٹیرے زیادہ ہو گئے ہیں اس لئے جو چند شریف رہ گئے ہیں ان کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ انہیں جیلوں میں بند کر دیا جائے۔ ویسے بھی کسی ملک کی جیلوں سے اس کی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس وقت چین میں جیل کی صنعت سب سے زیادہ ترقی کر رہی ہے' پچھلے سال وہاں 123 نئی جیلیں بنائی گئیں۔ نئی جیلوں کی تعمیر سے لاکھوں افراد کو روزگار مل رہا ہے۔ پھر وہاں جیل جانے کے لئے سابق وزیراعظم کا خاوند ہونا ضروری نہیں وہاں تو ہر 167 افراد میں سے ایک جیل میں بند ہے۔ پچھلے دور حکومت میں ایک پاکستانی وزیر کو فنڈ دیا گیا کہ وہ بیواؤں کے مفت سکول پر لگا دے یا یتیم خانے کو دے دے۔ اس نے وہ فنڈ جیلوں کی بہتری کے لئے خرچ کر دیا کسی نے وجہ پوچھی تو وہ بولا "یتیم خانے تو میں جانے سے رہا پھر مستقبل قریب میں بیواؤں کے مفت سکول جانے کا بھی کوئی پروگرام نہیں حکومت بدلی تو جیل آنا جانا رہے گا سو میں نے سوچا فنڈ اس جگہ کیوں نہ لگایا جائے جہاں جانا پڑ سکتا ہے۔ " اگرچہ آصف زرداری صاحب بڑے سمجھدار ہیں ایک غیر ملکی اخبار نے پاکستان میں کرپشن پر جو رپورٹ شائع کیا اس میں لکھا تھا کہ آصف زرداری صاحب نے اپنی کارکردگی بہتر بنائی ہے اب وہ مسٹر ٹین پرسنٹ کی بجائے مسٹر تھرٹی پرسنٹ ہو گئے ہیں لیکن آصف زرداری صاحب نے جیلوں کی بہتری کے لئے کچھ نہ کیا حالانکہ ان کے دو ہی مقام ہیں' وزیراعظم ہاؤس اور جیل ہاؤس۔

وزیراعظم ہاؤس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اتنا بڑا ہے کہ میاں بیوی لڑے ہوئے بھی ہوں تب بھی وہاں ہنسی خوشی رہ سکتے ہیں۔ وزیراعظم ہاؤس وہ جگہ ہے جہاں چاروں

موسم ایک دن آتے ہیں۔ آصف زرداری نے اسے اپنے لئے اصطبل بنا دیا۔ آصف زرداری کو شروع ہی سے جانوروں سے لگاؤ تھا لیکن وہ سیاست میں اس وجہ سے نہیں آئے تھے۔ فرانس کی سابق ساحرہ برجی باردت نے کہا تھا "میں نے اپنی جوانی اور خوبصورتی انسانوں پر ضائع کر دی لیکن دانائی اور تجربہ جانوروں کے لئے وقف کر دیا۔" لیکن آصف زرداری برجی باردت سے دانا نکلے انہوں نے جوانی ہی میں جانوروں سے تعلقات بنائے۔ آصف زرداری صاحب اتنے تیز ہیں کہ وہ ریلوے لائن دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ ریل کس طرف گئی۔ اس لئے انہوں نے اس بار کوئی بلنڈر نہیں کیا۔ عام غلطی اور بلنڈر میں فرق مارک ٹوئین نے یہ بتایا ہے کہ اگر آپ ریسٹورنٹ میں آئیں اور اپنا سوتی چھاتا چھوڑ کر سلک کا چھاتا لے جائیں تو یہ غلطی ہے۔ اگر آپ کسی کا سوتی چھاتا لے جائیں اور اپنا سلک کا چھوڑ جائیں تو یہ بلنڈر ہے۔ لیکن ڈاکٹر غلام حسین کہتے ہیں آصف زرداری نے یہ بلنڈر کیا کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کو بیوی سمجھا۔ ڈاکٹر صاحب باقاعدہ ڈاکٹر ہیں انہوں نے یہ بات ان دنوں کہی جب پیپلز پارٹی کا سیزیرین آپریشن ہو رہا تھا۔ اب تو پیپلز پارٹی خیر سے صاحب اولاد ہے اس کے تین بچوں غنوی گروپ' بینظیر گروپ اور بھٹو گروپ کو تو ہم بھی جانتے ہیں۔ ویسے ہمارے ہاں فلمی ہیروئن اور سیاسی پارٹی زچگیوں کے بعد کم ہی پاپولر رہتی ہے۔ بہر حال آصف نے جو بھی کیا ان کے ساتھ وہی ہوا جو ان کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اس بار آصف کے جیل جانے پر بینظیر صاحبہ نے وہ بیان نہیں دیا جو پہلی مرتبہ دیا تھا اس بار انہوں نے شدید احتجاج کیا اور کہا کہ میں آصف کے اغواء کا پرچہ درج کرواؤں گی۔ ہمیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آج بھی ویسے ہی حالات ہیں بلکہ پہلے سے بھی بدتر ہیں پھر محترمہ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ آصف جیل کے اندر' باہر سے زیادہ محفوظ ہے۔ لیکن آج کا اخبار پڑھ کر ہمیں وجہ کا پتہ چل گیا اس لئے کہ آصف کو ویمن پولیس اسٹیشن میں رکھا جا رہا ہے۔ آصف کو ذاتی طور پر جاننے والے مانیں گے کہ وہ مردانہ تھانے میں اتنے غیر محفوظ نہیں جتنے زنانہ تھانے میں ہو سکتے ہیں۔ اخبار نے لکھا کہ محترمہ آصف زرداری سے نہ ملنے پر وحشت زدہ ہو گئیں۔ ہم سمجھتے ہیں وہ ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے نہیں انہیں زنانہ تھانے میں رکھنے کی وجہ سے

پریشان ہیں۔ ہمیں یہ پتہ نہیں چلا کہ آصف کو زنانہ تھانے میں رکھنا ان کی سزا ہے یا تھانے والوں کی۔ ویسے اس پر بینظیر سے زیادہ نگران حکومت کو فکر مند ہونا چاہئے کہ اگر دوسرے قیدیوں نے بھی اس سہولت کا مطالبہ کر دیا تو پھر نگران حکومت اتنے زنان دان کہاں سے لائے گی۔

دلداریاں

امریکی محقق کہتے ہیں جس کی بیوی جتنی پڑھی لکھی ہو گی اسے دل کی بیماری ہونے کے اتنے ہی زیادہ امکانات ہوں گے۔ غریبوں کے لئے تو مکان کی جمع بھی امکان ہی ہے۔ بہر حال ہم سمجھتے تھے دل کی بیماری کے اسباب میں اہم مال و اسباب ہے مگر محققوں نے تو دل کا سارا بوجھ زنانہ تعلیمی اداروں کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ ہم مانتے ہیں ان اداروں کے پاس سے گزرنے والوں کے دل پر اثر ہوتا ہے مگر اتنا علم نہ تھا کہ یہاں تعلیم کو فروغ نہیں دیا جا رہا

مردانہ دل کی بیماریوں کی شرح میں اضافہ کیا جارہا ہے۔ تحقیق کے مطابق جس کی بیوی چار جماعتیں پاس ہوگی اس کے خاوند کو چار فیصد دل کے مرض ہونے کا خدشہ ہوگا جبکہ ایم اے پاس بیوی کے خاوند کو سولہ فیصد' اس حساب سے تو ڈبل ایم اے اور پوسٹ گریجویشن کرنے والی بیویوں کے خاوندوں کا تو ڈاکٹر ہی حافظ۔

ہم مانتے ہیں امریکہ ہم سے اتنا آگے ہے کہ ہم جب بھی چند قدم ترقی کی طرف اٹھاتے ہیں آگے وہ آجاتا ہے۔ اس کی ترقی کا راز ہم نے یہی پایا کہ ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے ساتھ گام زن بھی ہے۔ ویسے بھی دنیا میں جو کچھ بنا عورت کے مشورے سے بنا' صرف خدا نے آدم کو پہلے بنایا تھا تاکہ عورت کے مشورے کے بغیر بنا سکے۔ وہاں مردوں کو عورتوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ یہ الگ بات ہے فرانسیسی ناول نگار کولیٹی نے کہا تھا' ایک عورت جو یہ سمجھتی ہے کہ وہ ذہین ہے وہ مردوں کو اپنے برابر حقوق دینے کا مطالبہ کرتی ہے اور ایک عورت جو ذہین ہے وہ یہ نہیں کرتی۔ اگرچہ وہاں بھی دفتروں میں عورتوں کو کام نہیں کرنے دیا جاتا۔ ایک عورت نے اس پر عدالت میں کیس کر دیا تھا کہ میرا ماتحت مجھے دفتر میں کام نہیں کرنے دیتا۔ بہر حال تحقیقی شعبے میں نوجوان لڑکے لڑکیاں دونوں دن رات جتے رہتے ہیں۔ جن میں اکثر یہی تحقیق کر رہے ہوتے ہیں کہ ان کا والد کون تھا؟ وہاں سے پہلے ایک تحقیق آئی تھی کہ جو آدمی جتنا بے وقوف ہوتا ہے اس کی بیوی اتنی ہی خوبصورت ہوتی ہے اور اس محقق کی بیوی کی خوبصورت تصویر دیکھ کر ہی ہمیں اس کا اعتبار بھی آگیا تھا۔ پھر ایک دن خبر پڑھی کہ ایک امریکی کی تحقیق کے مطابق گنجے خاوندوں کی اپنی بیویوں سے زیادہ لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے لڑائیاں نہ ہوتیں تو وہ گنجے کیسے ہوتے! پھر لمبے لمبے بال رکھنے سے ازدواجی تعلقات اس لئے بھی خوشگوار رہتے ہیں کہ بیوی کپڑوں پر لگے لمبے بال دیکھ کر یہ نہیں پوچھتی کہ یہ بال کس کے ہیں؟ پھر تحقیق آئی کہ مرد اپنی زندگی میں عورت سے زیادہ اچھے دن گزارتے ہیں' یہ بھی مان لیا کیونکہ مرد اکثر بڑی عمر کے ہو کے شادیاں کرتے ہیں لیکن بیماری دل والی تحقیق پر دل نہیں آتا پھر بیوی کا اپنے خاوند کے دل سے کیا تعلق؟

HEART کو ہم HE-ART سمجھتے ہیں' ہمیں یہ تحقیق بھی اسی مردانہ آرٹ کا

نمونہ لگتی ہے۔ اگرچہ بیماری دل کا جتنا ذکر ہماری اردو شاعری میں ہے اتنا تو میڈیکل کی کتابوں میں نہ ہوگا اور وجہ بیماری دل ہمیشہ محبوبہ رہی ہے منکوحہ نہیں۔ سو یہ تحقیق سراسر غیر ادبی ہے۔ بیوی اور خاوند کے دل کے تعلق کا ذکر تو کسی لطیفے میں بھی نہیں ملتا۔ اگرچہ ہم سمجھتے ہیں سکھوں اور وکیلوں کی طرح میاں بیویوں کے بارے میں بھی صرف دو تین لطیفے ہی مشہور ہیں باقی تو سب سچے واقعات ہیں۔ پھر انہوں نے بیماری کی وجہ پڑھی لکھی بیویاں بتائی' جس سے لگتا ہے کہ یہ تحقیق ان پڑھ خواتین نے کی ہے۔ ہمارے ہاں کی دیہاتی خواتین تو گنتی تک اپنے بچوں پر سیکھتی ہیں۔ ویسے بھی عام مرد خوبصورت عورت پسند کرتا ہے کیونکہ وہ اتنا بہتر سوچ نہیں سکتا جتنا بہتر دیکھ سکتا ہے۔ اسی لئے ہمارے ہاں پڑھی لکھی عورتوں کی شادیاں کم ہوتی ہیں' البتہ مغرب میں ان کی زیادہ ہوتی ہیں بلکہ کئی کئی ہوتی ہیں۔ وہاں تو شادیوں کی تصویریں بھی پولارائیڈ کیمروں سے بناتے ہیں کہ یہ نہ ہو تصویریں دھل کر آنے سے پہلے طلاق ہو چکی ہو۔ شادی وہاں اتنی سستی ہے کہ سنا ہے جاپان میں جو بندہ اپنی بیوی کی فرمائش پر پورا ٹماٹر خرید تا ہے وہ رئیس ہوتا ہے جو غریب ہو وہ اس سے کم قیمت پر نئی بیوی لے آتا ہے۔ سنا ہے وہاں انڈا ہزار کا پڑتا ہے ہمارے ہاں سیاست میں آجاؤ تو مفت پڑتا ہے بہر حال ہمارے ہاں شادیاں بہت مہنگی پڑتی ہیں مگر عورتوں کو۔

ہم عورتوں کے اس قدر حق میں ہیں کہ جس پر مرد چلیں اسے راستہ اور جس پر عورتیں چلیں اسے راستی کہتے ہیں' پھر بھی ہم سمجھتے ہیں بیوی کی باتوں کا ہمیشہ کانوں پر اثر ہوتا ہے دل پر نہیں کیونکہ بیوی کو چپ کرانا ہی مشکل ہے اور اس کے صرف دو طریقے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسے چپ کرانے کی کوشش نہ کریں۔ بہر حال اس تحقیق نے یہ تو ثابت کیا کہ پڑھی لکھی بیویوں کا اپنے خاوندوں کے دل سے کوئی تعلق ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں اکثر خاوند شادی کے فوراً بعد اپنا دل بیوی کو دے دیتے ہیں اور باقی زندگی اس کے ساتھ بے دلی سے گزارتے ہیں لیکن ہمارا مشاہدہ ہے کہ پڑھی لکھی بیوی دل پر اثر کرتی ہے بشرطیکہ دوسرے کی ہو۔

Bitter Half

صاحب! امریکی خاتون اول ہلری نے صدر کلنٹن کی زندگی پر جوانمٹ نقوش چھوڑے ان میں سے ایک پچھلے دنوں صحافیوں نے کلنٹن کے گال پر دیکھ لیا جو ان کے لئے ایک "گال" بن گیا۔ سی آئی اے والے تو ایسی تمام اشیاء کی لسٹیں بنانے کے لئے تحقیق کر رہے ہیں جن سے ایسا زخم لگایا جا سکتا ہے تاکہ یہ چیزیں وائٹ ہاؤس سے بلیک کر دی جائیں۔ اگرچہ اس پر تحقیق کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ چیزیں تو کوئی بھی خاوند منٹ میں گنا دے گا۔ البتہ جب

وائٹ ہاؤس میں ان چیزوں کی لسٹ بنائی گئی جن سے صدر کو چوٹ لگنے کا اندیشہ رہتا ہے تو اس لسٹ میں ہلری کلنٹن سر فہرست ہوں گی۔ ہلری کا جغرافیہ بھی اس کی ہسٹری بتاتا ہے۔ وہ ان خواتین میں سے ہیں جو ایکسرے کھنچواتے وقت بھی یہی کوشش کرتی ہیں کہ وہ ایکسرے میں حسین نظر آئیں۔ اگرچہ ماڈلنگ امریکہ میں لڑکیوں کا بہترین پیشہ ہے۔ جو اچھی ماڈل ہوتی ہے وہ اچھا خاصا کما لیتی ہے جو بری ہوتی ہے وہ اس سے زیادہ کما لیتی ہے۔ لیکن ہلری وکیل ہے۔ بیوی وکیل ہو تو گھر وہ عدالت ہوتا جو چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہے۔ ہلری اپنے خاوند کے ساتھ وائٹ ہاؤس میں نہیں آئیں بلکہ خاوند کو ساتھ لے کو وائٹ ہاؤس آئیں۔ کہتے ہیں خاتون اول بننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ صدر سے شادی کر لیں حالانکہ صدر بننے کے لئے جو عمر کی حد رکھی گئی ہے اس حساب سے تو آپ کسی صدر سے شادی کریں گی تو آپ خاتون سوم' چہارم تو ہو سکتی ہیں اول نہیں۔ اگرچہ کوئی ہم سے پوچھے کہ امریکی تیسری شادی کب کرتے ہیں؟ تو ہم یہی کہیں گے دوسری شادی کے بعد۔ اچھا خاوند ہمیشہ کسی اچھی بیوی کی تخلیق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کھر صاحب جیسے بڑے بڑے خاوند گزرے ہیں مگر کلنٹن سے مقبول خاوند کوئی نہ گزرا ہوگا جنہیں تقریباً تمام امریکی شادی شدہ عورتوں نے ووٹ دیئے۔ کنواریوں کے ووٹ بھی مل سکتے تھے اگر ووٹر کی حد عمر اٹھارہ سال کی بجائے آٹھ سال ہوتی۔ کلنٹن اس سے بہتر نہیں دیکھ سکتے جو ہلری انہیں دکھاتی ہے۔ جب وہ ارکنساس میں تھے تو ایک صحافی نے دونوں کو دیکھ کر کہا "مجھے دونوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک نہیں لگتا" یہ سن کر ایک غیر امریکی صحافی نے کہا "واقعی مجھے بھی یہ دونوں میاں بیوی لگتے ہیں"۔ لوگ دور سے انہیں آتا دیکھ کر پہچان لیتے کہ ان میں سے ایک بیوی ہے اور ایک خاوند۔ دونوں خوشی خوشی رہتے۔ ہلری غصے میں آ کر جو ملتا کلنٹن کو دے مارتیں اگر نشانہ لگ جاتا تو ہلری خوش ہو جاتیں نہ لگتا تو کلنٹن خوش ہو جاتے۔ بہر حال اب وقت کے ساتھ ساتھ بدتری ہوئی ہے کیونکہ ہلری کا نشانہ بہتر ہو گیا ہے۔ یوں ہلری کی خوشی کے نشان صدر کلنٹن کے چہرے پر نظر آنے لگے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی ایوان صدر نے یہ نظارے خاتون اول ناہید سکندر مرزا کے دور میں دیکھے۔ یہ وہی غیرت ناہید ہے جس نے ایوان صدر سے گدھ اور کوے اڑانے کے لئے الگ اے ڈی سی رسالدار میجر اصغر علی رکھا ہوا تھا۔ جو سارا دن

انتظار کرتا رہتا کہ کوے اور گدھ بیٹھیں تاکہ وہ انہیں اڑا سکے کبھی کبھی تو اڑانے کے لئے بہت محنت کرنا پڑتی یعنی پہلے "دانہ" ڈال کر انہیں بٹھانا پڑتا تاکہ اڑایا جا سکے۔ ابھی تک ایوان صدر میں یہی طریقہ رائج ہے۔

کچھ کہتے ہیں امریکہ کی خاتون صدر ہے جب کہ کچھ کہتے ہیں صدر خاتون ہے بہرحال ہمیں یہ پتہ ہے کہ ہلری صاحبہ کو اتنا کام کرنا پڑتا ہے کہ ان کے پاس یہ سوچنے کا وقت نہیں ہوتا کہ صدر وہ ہیں یا کلنٹن۔ ان کی بیٹی سے سکول والوں نے کہا "ہم آپ کے سلسلے میں آپ کے والدین سے ملنا چاہتے ہیں بتاؤ آپ کی ممی سے ملیں یا پاپا سے"۔ تو بیٹی نے کہا "ممی تو بہت مصروف ہوتی ہیں آپ پاپا سے مل لیں وہ فارغ ہوتے ہیں"۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ ہلری اپنی مصروفیت میں سے میاں بیوی رہنے کے لئے بھی وقت نکال لیتی ہیں۔ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں جو میاں بیوی ایک دوسرے سے نہیں لڑتے وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی مانتے نہیں ہیں۔ کلنٹن ہلری کو نہیں سنبھال سکتے ہلری کو ہی انہیں سنبھالنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی امریکی بیویاں بڑی وفادار ہوتی ہیں۔ وہاں کی ایک اداکارہ نے عدالت میں کہا "میں اپنے خاوند سے طلاق لینا چاہتی ہوں"۔ جج نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا "یہ وفا شعار نہیں"۔ جج نے پوچھا "محترمہ آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں؟" بولی "مائی لارڈ میرے ایک بچے کی شکل بھی ان سے نہیں ملتی کیسے کہہ دوں کہ یہ وفا شعار ہیں۔"

ہلری صاحبہ ان خواتین سے بہت اچھی ہیں جو ان سے کم اچھی ہیں۔ محاورہ ہے روم میں رہو تو وہ کرو جو رومن کرتے ہیں یا یوں کہہ لیں۔ روم میں رہو تو وہ کرو جو روم میت کرتے ہیں۔ مگر ہلری ایسا نہیں کرتیں۔ اس سے قبل بھی امریکہ میں گشتی فرموں میں خاوندوں کو سیلز مین رکھنے پر ترجیح دی جاتی کہ وہ آرڈر لینے کا تجربہ رکھتے ہیں یہی نہیں شادی شدہ کو صدر اس لئے چنا جاتا ہے کہ اسے عوام کی کڑوی کسیلی باتیں اور ڈانٹ ڈپٹ اجنبی نہیں لگتی۔ لیکن اب امریکی کہہ رہے ہیں کہ صدر کی بیوی نہیں ہونی چاہئے ورنہ صدر اس سے پٹ سکتا ہے۔ جہاں تک کلنٹن کے پٹنے کا تعلق ہے جیسے مشائخ کانفرنس میں ایک گدی نشین نے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا تو کسی اخبار نے یہ خبر لگا دی۔ جس کی ان پیر صاحب نے یوں تردید کی کہ میں نے

وائیں صاحب کے گھٹنوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا انہوں نے میرے ہاتھ کو گھٹنے لگائے تھے۔ سو ممکن ہے ہلری، کلنٹن کے منہ پر تھپڑ نہ مارتی ہو۔ کلنٹن ہلری کے تھپڑ پر منہ مارتے ہوں۔ پھر کلنٹن بہت تیز بھاگتے ہیں۔ پوچھو کب سے بھاگ رہے ہیں؟ تو کہیں گے پچیس چھبیس سال ہو گئے ٹھیک کہتے ہیں ان کی شادی کو تقریباً اتنا ہی عرصہ ہوا ہے۔ سو ممکن ہے وہ بھاگتے ہوئے تھپڑ کو جا لگتے ہوں۔ البتہ امریکیوں کو اس بات پر شرمندہ ہونا چاہئے کہ اتنے ترقی یافتہ ملک کے صدر کی بیوی بھی غیر ترقی یافتہ ممالک کی جاہل خواتین کی طرح اپنے خاوند کو ڈوئی، کپ اور لیمپ سے پیٹتی ہیں۔ لیکن سنا ہے ہلری نے اس کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ میں پڑھی لکھی عورت ہوں۔ ان پڑھ بیویوں کی طرح اپنے خاوند کو لیمپ، ڈوئی یا برتنوں سے کیسے مار سکتی ہوں؟ میں نے تو کتاب ماری تھی۔
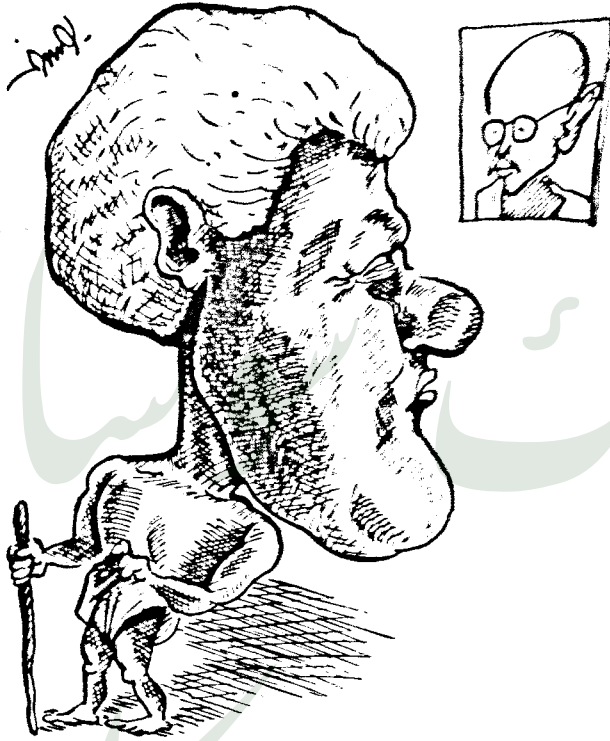
لنگوٹی اِزم

صاحب! امریکیوں کے پاس حال بھی ہے اور مستقبل بھی بس انہیں ماضی کی تلاش ہے۔ ہمارے پاس اتنا ماضی ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا اسی لئے کچھ حال میں شامل کرنا پڑتا ہے۔ ہم سے ایک بار کسی نے پوچھا "مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" تو ہم نے کہا "مستقبل ہونا چاہئے۔" ابن انشاء نے کہا تھا مستقبل کو بہتر بنانے کی ایک صورت ہے کہ امریکہ کچھ حال دے دے اور ہم اسے اپنے شاندار ماضی سے کچھ عنایت کر دیں لیکن ابن

انشاء کی کسی نے نہ سنی۔ ابھی حال ہی میں بھارت نے ابن انشاء کی تجویز کو عملی جامہ۔ بلکہ عملی
لنگوٹی پہنادی۔ انہوں نے اپنا شاندار ماضی یعنی گاندھی جی کی لنگوٹی امریکہ کو بھجوادی پوتا ہے
گاندھی جی کے پیروکاروں نے صدر کلنٹن سے کہا ہے وہ اس لنگوٹی میں پریس کانفرنس سے
خطاب کریں۔ یوں بھارت امریکہ کا لنگوٹیا بننا چاہ رہا ہے۔ جب سے بھارتیوں نے گاندھی جی
کی لنگوٹی امریکہ بھیجی ہے تب سے ہم نے گاندھی جی کی تصویر نہیں دیکھی پتہ نہیں اب ان کا
کیا حال ہوگا۔ جیسے فرانس کی سب سے بڑی امپورٹ ٹورسٹ ہیں ہماری سب سے بڑی
امپورٹ ڈالر ہیں۔ ایک زمانے میں فرانس کے بارے میں کہا جاتا تھا اس کی سب سے بڑی
ایکسپورٹ بر جی بارودت ہے۔ پاکستان میں جو پاکستانی دیانتدار اور محنتی ہوتے ہیں ہم انہیں
ایکسپورٹ کرتے ہیں جو نہیں ہوتے انہیں سپورٹ کرتے ہیں لیکن لگتا ہے بھارت نے
ماضی ایکسپورٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ امریکی دنیا کے وسائل ہم سے 30 فیصد زیادہ استعمال
کرتے ہیں جبکہ لباس ہم سے 30 فیصد کم۔ سو ہمیں پتہ نہیں وہ لنگوٹی کے ساتھ کیا سلوک
کرتے ہیں۔ ویسے بھی جسے لطیفے سمجھ نہیں آتے اسے امریکی معاشرہ سمجھ نہیں آسکتا۔ پچھلے
دنوں ایک امریکی خاتون نے ہمیں بتایا اس کی دو بیٹیاں ہیں ایک بیٹی تو گھر میں ہی رہتی ہے
کیونکہ وہ شادی شدہ ہے۔ لباس کے رسالوں کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ
لنگوٹی وہ لباس ہے جس پر پہننے والے سے زیادہ دیکھنے والے کا خرچ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے
بھارتی خود کو امریکہ کا لنگوٹیا ظاہر کرنے کے لئے کہیں کہ جب کولمبس نے امریکہ دریافت
کیا تو مقامی باشندوں نے یہی لنگوٹی پہنی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود یہ گاندھی جی کی
دریافت ہی رہے گی کیونکہ مقامی باشندوں نے یہ پہنی ہوئی تو تھی مگر انہیں پتہ نہ تھا کہ یہ
لنگوٹی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے پوچھا کہ جب یہاں کولمبس کے آنے سے پہلے بھی
لوگ رہ رہے تھے تو پھر کولمبس نے امریکہ کیسے دریافت کیا؟ تو جواب ملا "وہ رہ تو رہے تھے
مگر انہیں پتہ نہ تھا کہ وہ امریکہ میں رہ رہے ہیں" ہم نے مانا کہ امریکیوں کا لباس ان کے آئین
سے تجاوز نہیں کر سکتا اور ان کا آئین دنیا کا سب سے مختصر آئین ہے لیکن جیسے کہتے ہیں
گولف کا آغاز سکاٹ لینڈ سے ہوا اسکاٹ لوگوں کی کنجوسی کے جتنے لطیفے مشہور ہیں ان کی
روشنی میں ہمیں یقین نہیں آتا کہ کسی سکاٹ نے ایسی گیم ایجاد کی ہو جس میں گیند گم ہونے کا

خدشہ ہو۔ ایسے ہی لنگوٹی وہ لباس ہے جسے اٹھتے بیٹھتے پہننا پڑتا ہے سو یہ کسی مصروف قوم کی ایجاد نہیں ہو سکتا۔ کچھ غیر ملکی کھانے ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے مترجم کی ضرورت پڑتی ہے۔ لنگوٹی بھی ایسا ہی لباس ہے۔ یہ گاندھی جی کے محاوروں اور ہمارے محاوروں میں استعمال ہوتا ہے۔ لنگوٹی اور لنگوٹ میں وہی فرق ہے جو ہوتا اور ہوتی میں ہے۔ کہتے ہیں یہ فرق شیخ رشید صاحب نے ایک بار بتایا تھا ان دنوں ہوتی صاحب ریلوے کے وزیر تھے اسمبلی میں دوران بحث شیخ رشید نے کہا تھا ریلوے خسارے میں کیوں نہ جائے اور محکموں کے وزیر ہوتے ہیں ریلوے کا "ہوتی" ہے۔ ہم سمجھتے ہیں لنگوٹ اگر کسی کمزور نے پہنا ہو تو اسے لنگوٹی کہتے ہیں۔ امریکہ نے دنیا میں لنگوٹی کو بھارت سے زیادہ فروغ دیا۔ روس جو لنگوٹ کسے پھرتا تھا اسے ایسی لنگوٹی پہنائی کہ روس ریڈ ایریا کی بجائے ریڈ لائٹ ایریا بن گیا۔ خوشنونت سنگھ نے ایک بار کہا تھا "روس کا تو پتہ نہیں دہلی بھارت کا ریڈ لائٹ ایریا ہے۔" کسی نے پوچھا "کیسے" بولے "ہر پانچ سو میٹر کے بعد آپ کو ریڈ لائٹ کا سامنا ہوتا ہے۔" امریکہ کے دنیا سے تعلقات کا اندازہ سپیکر نیوٹ گینگرچ کے امریکی خارجہ پالیسی پر اس تبصرے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری دنیا سے شادی ہو چکی لیکن ہم یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے ہمارا معاشقہ چل رہا ہے ہم تو امریکہ کو اپنا ہی سمجھتے ہیں۔ تاریخ کے ایک طالب علم سے پوچھا "پاکستان کا دارالخلافہ کہاں ہے؟" وہ بولا "امریکہ میں" ہم نے اس کے والد سے کہا "مسئلہ یہ ہے کہ یہ پڑھتا نہیں" بولے "مسئلہ یہ ہے کہ یہ بہت پڑھتا ہے" اس نوجوان نے تو یہ بھی انکشاف کیا کہ ہماری تاریخ میں جتنے بھی بادشاہ گزرے ہیں سب مرد تھے۔

صدر کلنٹن کو گاندھی جی کی لنگوٹی بھیجنے والی تنظیم نے کہا کہ لنگوٹی پہننے سے صدر کلنٹن کو گاندھی جی کے نظریات سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ اس حساب سے تو کلنٹن کو اندرا گاندھی کو سمجھنے میں بہت دشواری آئے گی۔ گاندھی جی ہمیں بھی اچھے لگتے ہیں جس کی وجہ ہمارے کچھ دوست ہمارا ڈاکٹر ہونا بتاتے ہیں۔ ہم بھی گاندھی جی کے نظریات سمجھنا چاہتے ہیں لیکن ہم نے فی الحال یہ ارادہ ملتوی کر دیا ہے کیونکہ آج کل لاہور میں سخت سردی ہے۔ تنظیم نے صدر کلنٹن سے اپیل کی ہے کہ وہ یہ لنگوٹی پہن کر پریس کانفرنس کریں اس سے ان کی مقبولیت میں بہت اضافہ ہو گا۔ ہمیں اس سے اختلاف نہیں کیونکہ اس سے تو فلمیں ہٹ ہو

جاتی ہیں کلنٹن کیسے ہٹ نہ ہوں گے۔ ایک سردار جی نے ہالی وڈ کی سیر کے بعد کہا تھا" بھرا جی لباس سے لگتا ہے گاندھی جی کے پیروکار اتنے بھارت میں نہیں جتنے ہالی وڈ میں ہیں" ویسے بھارت میں بھی مہنگائی ہو رہی ہے لباس اور خوراک کی قیمتوں سے باتیں کرنے کے لئے آسمان کو اوپر جانا پڑ رہا ہے یہی حالات رہے تو وہاں گاندھی ہی گاندھی نظر آئیں گے۔ ہمارے حالات بھارت سے ابھی بہتر ہیں' ہمارے بھکاری وہاں کے بھکاریوں سے زیادہ امیر ہیں۔ ہمارے سیاستدان ان کے سیاستدانوں سے زیادہ سیاستدان ہیں۔ ویسے دنیا میں کوئی سیاستدان ایسا بد نہیں ہوتا کہ وہ بدتر نہ ہو سکے۔ گاندھی جی کسی کو دکھ میں نہ دیکھ سکتے تھے ہمارے ایک شاعر دوست بھی ایسے ہیں وہ عورتوں کو بسوں اور ویگنوں میں دوران سفر کھڑا نہیں دیکھ سکتے اس لئے دوران سفر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ گاندھی جی کی صحت ڈاکٹروں اور بھوک ہڑتال کے لئے آئیڈیل تھی۔ انہوں نے اس کمزوری کو اپنی طاقت بنایا اور بھارت کو خود انحصاری کی راہ پر ڈالا۔ اسی لئے جب بال ٹھاکرے بمبئی کے سب سے بڑے ہسپتال کے معائنے کو گیا تو اس نے ایک ڈاکٹر سے پوچھا یہ ڈاکٹر کیا کر رہا ہے؟ دوسرے ڈاکٹر نے بتایا "لوکل انستھیزیا" دے رہا ہے "بال ٹھاکرے نے خوش ہو کر کہا" دیکھا تم نے' ہم نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب ہمیں نان لوکل انستھیزیا دینے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔" ہو سکتا ہے بھارتی لوکل پراڈکٹ لنگوٹی کی کلنٹن سے ماڈلنگ کروانا چاہ رہے ہوں کیونکہ اب امریکی صدر سب کے ماڈل ہیں۔ بہرحال انہوں نے لنگوٹی سے اچھی چال چلی ہے ویسے اس سے چال اچھی چلی بھی جا سکتی ہے۔ لگتا ہے وہ اپنی قومی اشیاء کو مقبول بنانے کے لئے ماڈلنگ پر توجہ دے رہے ہیں جیسے ورلڈ کپ پر انہوں نے ماڈلز کو اپنے پرچم کے لباس پہنوانے کا ذکر کیا تو لوگ گھنٹوں ٹی وی سیٹ کے سامنے بیٹھے پرچم کشائی کی تقریب کا انتظار کرتے رہے۔ ممکن ہے اس سے وہ دنیا میں لنگوٹی ازم برپا کرنا چاہتے ہوں' یاد رہے کمیونزم یہ ہے کہ آپ کے پاس دو گائیں ہوں اور وہ آپ حکومت کو دے دیں اور پھر اس سے دودھ خریدیں۔ سوشلزم یہ ہے کہ آپ کے پاس دو گائیں ہوں اور آپ وہ حکومت کو دے دیں اور حکومت دودھ دے۔ کیپٹلزم یہ ہے کہ آپ کے پاس دو گائیں ہیں آپ ایک کو بیچ کر بیل خرید لیتے ہیں جبکہ لنگوٹی ازم میں آپ کو دو گائیوں کی ضرورت نہیں بس لنگوٹی کی ضرورت ہے۔

حلوہ بمقابلہ جلوہ

ہمارے ایک محقق دوست نے بتایا کہ عوام نے الیکشن کی بھرپور تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ کہتے ہیں "میں جوتوں کی دکان پر گیا تو وہاں بڑا رش تھا، ٹماٹروں اور انڈوں کی قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ الیکشن ضرور ہوں گے۔" صاحب ہمیں تو اسی دن یقین ہو گیا تھا جب ہمیں پتہ چلا تھا کہ ایک مغربی محقق 'مقامی دشنام طرازیوں پر ریسرچ کرنے پاکستان آ رہا ہے۔ ہماری اسمبلی کی فضا تو ایسی تھی کہ ایک روز حزب اختلاف اور حزب

ہمارے دو رکن آپس میں ہنس ہنس کر بڑی عزت سے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے تو ایک صحافی نے کہا "شاید آپ لوگ بھول رہے ہیں کہ آپ ابھی تک اسمبلی میں ہی ہیں۔" الیکشن کی نشست دیکھ کر ہم سوچ رہے ہیں جب الیکشن نہیں ہوتے تھے تب بچے آپس میں دو دو کہانیاں سنا کے کیسے سیکھتے تھے۔ سیاست تو چیز ہی ایسی ہے کہ عقلمند اور بے وقوف دونوں الیکشن میں کھڑے ہوں تو چند روز دن بعد یہ پتہ چلتا کہ ان میں سے عقلمند کون تھا۔

سیاست ایک آرٹ ہے لیکن ہمارے ہاں یہ "مارشل" آرٹ ہے۔ دوسرے ممالک میں سیاستدان الیکشن میں حصہ لیتے ہیں ہمارے ہاں الیکشن لڑتے ہیں۔ ہماری سیاست فلمی ہو گئی ہے شاید اسی لئے فلمی ہیروئنیں سیاست کا رخ کر رہی ہیں۔ مسرت شاہین کی پرمسرت فلمیں دیکھ کر ہمیں بھی لگتا تھا کہ ان میں ساری سیاستدانوں والی خوبیاں ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ پوچھیں کہ سیاستدان بننے کے لئے کونسی خوبیاں چاہئیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں سیاستدانوں میں خامیاں ڈھونڈنی مناسب بات نہیں ویسے بھی جب ہم دوسروں کی اچھائیاں ڈھونڈتے ہیں تو کچھ اچھائیاں اپنی بھی نکل ہی جاتی ہیں۔ پھر ہمارے ہاں ابھی تک کوئی ایسا قانون نہیں جو کسی کو فنکارانہ سیاست کرنے سے روک سکے۔ کوئی سیاسی سنسر بورڈ نہیں شاید اسی لئے مسرت شاہین سے دیر ہو گئی۔ پہلے سیاست ان میں آئی پھر وہ سیاست میں آئیں۔ سیاست میں بھی کشش ثقل ہے انسان کو نیچے کی طرف کھینچتی ہے۔ ہمارے علاقے کے سابق ایم این اے نے بیٹے سے کہا "بیٹے میں چاہتا ہوں تم بڑے ہو کر اچھے انسان بنو، ملک و قوم کا نام روشن کرو" بیٹے نے کہا "نہیں ابو میں بڑا ہو کر آپ جیسا بنوں گا۔" مسرت شاہین نے فلموں کے بعد الیکشن میں [illegible] "مسرت" بتایا ہے۔ موصوفہ کی فلمیں دیکھ کر لگتا ہے۔ وہ عرصے سے سیاست میں آنے کی تیاریوں میں تھیں۔ بس انٹری اب دی ہے۔ جیسے ایک پینٹر نے اپنی پینٹنگ دس ہزار میں بیچی اور بتایا کہ پینٹنگ پر میرے دس سال لگے۔ کسی نے پوچھا: "کیا پینٹنگ بنانے پر اتنی دیر لگی؟" بولے: "بنا تو میں نے تین دن میں لی تھی دیر تو اس کا گاہک ڈھونڈنے میں لگی۔" [illegible] کی طرح مسرت شاہین ایسی اداکارہ ہے جسے لوگ چہرے کے بغیر بھی پہچان لیتے ہیں۔ طارق عزیز کا ذکر آئے تو ذہن میں سب سے پہلے اس کی شکل نہیں آتی آواز آتی ہے مسرت کے ذکر پر بھی سب سے پہلے ذہن میں اس کی شکل نہیں

آتی۔ جب وہ الیکشن میں کھڑی ہوئی تو مخالفین سمجھتے رہے بیٹھ جائے گی ہمیں یقین تھا کہ وہ
نہیں بیٹھے گی کیونکہ وہ تو کبھی اپنی فلم میں نہیں بیٹھی۔ ایسی اداکارہ کے جو ہاتھ لگ جائے وہ اس کی
اداکاری کا معترف ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں ہالی وڈ کی ایک ایکٹریس کو چند ماہ قبل کتے نے کاٹ لیا
تب سے سخت احتیاط برتی جارہی ہے کہ کتا پھر کسی اداکارہ کی کوئی فلم نہ دیکھنے پائے۔ مسرت کی
فلمیں دیکھنے والے بھی کاٹنا چاہتے ہیں وہ آج کل الیکشن کی شوٹنگ کے لیئے حلقہ این اے
18 گئی ہوئی ہیں۔ موصوفہ کے مقابلے میں یوں تو کئی امیدوار ہیں لیکن ان کی فلمیں جن
ولن کی وجہ سے ہی چلتی ہیں اس لئے انہوں نے کہا ہے مولانا فضل الرحمن میرے حلقے کے
ولن ہیں۔ مسرت شاہین کے پریس سیکرٹری قاضی محمد خان عباسی نے کہا ہے "دیکھتے ہیں
حلوے کی فتح ہوتی ہے یا جلوے کی۔" الیکشن کی اس تقریب "پر مسرت" میں مولانا کے
ساتھ مسرت کا ذکر یوں آتا ہے جیسے الجبرے کے ساتھ جیومیٹری کا۔ الجبرے کی ہمیں کبھی
سمجھ نہیں آئی اس پر جتنا سر کھپاؤ نتیجہ "لا" ہی نکلتا ہے بلکہ "اور لا!" جبکہ جیومیٹری میں کیا
ہے چند زاویئے اور کچھ قوسیں۔ کئی لوگوں نے ہم سے یہ پوچھا کہ اگر آپ حلقہ این اے 18
کے ووٹر ہوتے تو مولانا کو ووٹ دیتے یا مسرت شاہین کو۔ ہمیں پتہ ہے وہ ہمارے جواب سے
ہماری رائے کی بجائے ہماری عمر جاننا چاہتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمن بڑے باپ کے کافی
بڑے بیٹے ہیں۔ اگر وہ ڈائٹنگ نہ کرتے تو اور بھی بڑے ہوتے۔ جدید تحقیق ہے کہ کم کھانے
سے سیاسی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کم کھانے سے سیاسی عمر میں واقعی اضافہ
ہوتا ہے۔

ووٹ، بھیک اور قرض مانگنا مشکل کام ہیں۔ ہمارے سیاستدان ووٹ مانگنے کے لئے
یوں منتیں کرتے ہیں جیسے بھارتی شاعر مشاعروں میں داد لینے کے لئے بچوں کے واسطے دیتے
ہیں۔ مس ناہید خان تو گھر گھر کنڈی کھڑکا کے ووٹ مانگ رہی ہے۔ کہتے ہیں ایک گھر جا کر
اس نے کہا "میں یہ درخواست کرنے آئی ہوں کہ آپ مجھے سپورٹ کریں" تو گھر والا بولا
"معاف کرنا محترمہ ان حالات میں صرف ایک بیوی اور دو بچوں کو ہی سپورٹ کر سکتا
ہوں۔" الیکشن کے لئے سرمایہ چاہیئے۔ ہالی وڈ کی ایک ایکٹریس بولی "لگتا ہے اس بار سارے
پیسے ہنی مون پر لگ جائیں گے" تو دوسری بولی "پھر کیا ہوا سال میں کہیں ایک بار جا کے تو

ایسا موقع آتا ہے۔" مسرت شاہین کو پتہ ہے الیکشن کونسا شادی کی طرح ہر سال ہونا ہے۔
محبت کا اصول ہے اگر آپ کامیاب نہیں ہورہے تو خوشامد کریں پھر بھی کامیاب نہیں ہوتے
تو دولت لٹائیں اگر پھر ناکام ہیں تو پھر محبت ترائی کر کے دیکھیں اس سے کام نہیں بنتا تو چپ
کر کے تھپڑ کھائیں اور واپس آجائیں۔ یہی اصول سیاست کا ہے ووٹ مانگنے کے لئے سب
طریقے بیک وقت استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ مسلم لیگ (ن) کا ایک سپورٹر بتا رہا تھا کہ ہم
رکشے میں بیٹھتے ہیں تو رکشے والے کو کرائے سے پانچ روپے زیادہ دے کر کہتے ہیں نواز شریف
کو ووٹ دینا۔ ان کا مخالف پاس بیٹھا تھا بولا ہم بھی یہی کرتے ہیں رکشے میں بیٹھتے ہیں اور اسے
کرائے سے پانچ روپے کم دے کر کہتے ہیں نواز شریف کو ووٹ دینا۔ ہمیں پتہ نہیں مسرت
شاہین صاحبہ ووٹ لینے کے لئے کونسا طریقہ اختیار کرتی ہیں ویسے مولانا کے ووٹ کم کرنے
کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں سے مولانا کے لئے ووٹ مانگنا شروع کر دے۔
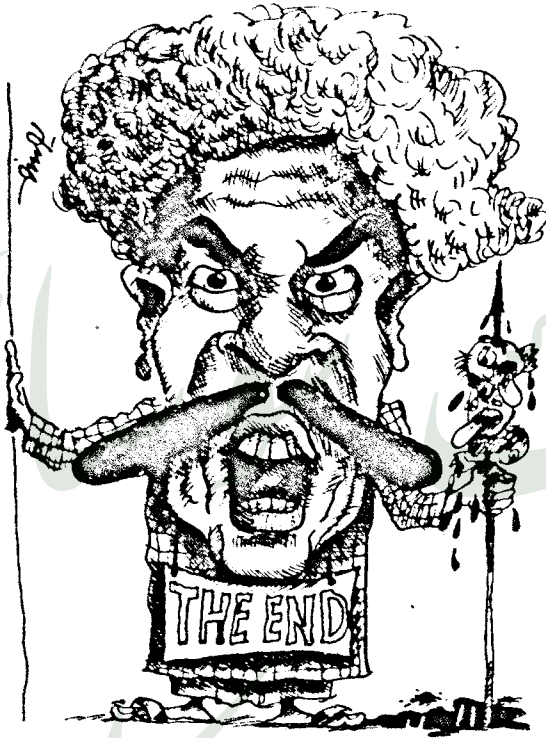
See Port

خبر ہے کہ ہدایت کار ظہور حسین گیلانی نے کئی دن مسلسل شوٹنگ کر کے ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں حالانکہ ہمارے ایک صحت مند وفاقی وزیر کے بچے کا سکول ماسٹر، وزیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا "صاحب میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ آپ کے بیٹے نے سکول کا سابقہ ریکارڈ توڑ دیا"۔ تو وزیر صاحب نے کہا "معمولی بات ہے اگر بچے نے غلطی سے توڑ ہی دیا تو کیا ہو گیا ہم نیا لے دیں گے۔" سو ممکن ہے

ظہور حسین گیلانی صاحب کے فلمساز نے بھی ریکارڈ ٹوٹنے کی اطلاع ملنے پر کہا ہو" جب تمہیں پتہ تھا کہ کئی دن مسلسل شوٹنگ کرنے سے یہ ٹوٹ جائے گا تو مسلسل شوٹنگ کیوں کی"؟ ممکن ہے اس نے ریکارڈ کیپر کو بلا کر ڈانٹا ہو کہ یہ سب تمہاری نااہلی کی وجہ سے ہوا ورنہ اور بھی لوگ فلمیں بناتے ہیں کسی اور سے کیوں نہ ٹوٹا؟ آئندہ دھیان سے ریکارڈ لگانا۔ لیکن ہمیں خوشی ہوئی ہے کہ ظہور حسین گیلانی نے 17 دنوں میں فلم مکمل کر کے فلمی دنیا میں ملک کا نام روشن کر دیا۔

صاحب فلم انڈسٹری ان لوگوں کے رہنے کے لئے بڑی اچھی جگہ ہے جو رہنا نہیں چاہتے۔ SeaPort کا اردو ترجمہ بندرگاہ ہے اور بندر نقل کرنے میں سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے سو فلم انڈسٹری تو ہمیں بندرگاہ ہی لگتی ہے جسے آپ SeePort کہہ سکتے ہیں۔ فلم کو موودی بھی کہتے ہیں۔ موو کا مطلب حرکت ہے اور ہدایت کار، فلمساز اور اداکاروں کی حرکتوں کو موودی کہتے ہیں۔ فلموں میں تیز رفتاری ہمیں اس قدر پسند ہے کہ ہم اکثر فلمیں فاسٹ فارورڈ کر کے دیکھتے ہیں یوں بھی ہمیں جلدی اس قدر پسند ہے کہ ہم تو دیر کرنے میں بھی ہمیشہ جلدی کرتے ہیں' ہالی وڈ میں تو اس قدر تیزی سے فلمیں بنتی ہیں کہ اداکاروں کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ وہ کپڑے پہن لیں۔ وہاں تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ ایک ڈائریکٹر نے فلم کی کہانی ختم ہونے سے پہلے فلم کی شوٹنگ مکمل کر لی۔ شکر ہے ظہور گیلانی صاحب نے ہماری فلم انڈسٹری کو بھی اس تیز رفتاری کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا۔ ظہور حسین صاحب کے سکول آف تھاٹ کا تو ہمیں پتہ نہیں کیونکہ ایک بار کسی نے ہدایت کار یونس ملک سے پوچھا "آپ کا سکول آف تھاٹ؟" انہوں نے کہا "گورنمنٹ پرائمری سکول گوالمنڈی"۔ ظہور حسین گیلانی سے پوچھو کہ دن میں کتنے گھنٹے ہوتے ہیں تو کہیں گے "چوبیس پان" ان سے تو یہ پوچھو کہ آپ کی فلم کی تکمیل پر کتنی مدت لگے گی تو ان کا جواب پانوں میں ہوگا۔ کام اتنا مگن ہو کر کرتے ہیں کہ پان منہ میں ڈال کر کھانا بھول جاتے ہیں۔ فلم رائٹر سید نور نے بھی فلم میں تیزی کو رواج دیا تھا۔ ایک فلمساز کو ان سے سکرپٹ لینا تھا۔ سید نور نے کہا "شام کو لے لیں"۔ فلمساز نے کہا "دو فلمیں ابھی پانچ بجے تک۔ صحت کی خرابی کے باعث یہ ممکن نہیں" پوچھا "کیا آپ کی صحت خراب ہے؟" جواب ملا "نہیں میں

تو ٹھیک ہوں وی سی آر خراب ہے"۔ پہلے شاید فلمیں اس لئے دیر سے بنتیں کہ ایسی ہیروئنیں تھیں جن کی نقل و حمل میں دیر لگتی' ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ ان کی نقل و "حمل" دیر کا باعث تھی تو ہدایت کار شادی شدہ ہیروئنیں کاسٹ ہی کیوں کرتے تھے؟ ہمارے ہاں فلم شروع تو فلمساز کرتا ہے' ہدایت کار اسے آگے بڑھاتا ہے اور سلطان راہی اس کا "اینڈ" کرتا ہے' کیونکہ فلم کے جس کردار کا رائٹر اور ڈائریکٹر سے خاتمہ نہ ہو سکے اس کا سلطان راہی ہی کرتا ہے۔ اتنے اداکاروں کو فلموں میں ہدایت کار شوٹ نہیں کرتے جتنے سلطان راہی صاحب "شوٹ" کر دیتے۔

آرٹ فلم کا تو ہمارے ہاں رواج ہی نہیں۔ احمد بشیر صاحب نے "نیلا پربت" بنائی کسی نے پوچھا "آپ کی فلم پر کتنا رش پڑا"؟ کہا "پہلے دن تو کوئی نہ آیا" مگر دوسرے دن رش ذرا کم ہو گیا"۔ "نیلا پربت" اتنے اونچے معیار کی فلم تھی کہ اس کی اونچائی سے گر کر فلمساز زخمی ہو گیا' بہرحال اس فلم میں اور کوئی خوبی ہو نہ ہو یہ ضرور تھی کہ دیکھنے سے ختم ہو جاتی تھی۔ ایسے ہی ظہور حسین کی فلم میں یہ خوبی تو ہے کہ اس پر صرف 17 دن لگے' زیادہ وقت نہیں لگا۔ 1959ء میں ابن انشاء پہلی بار ڈھاکہ گئے تو کمیونسٹ پارٹی کے دفتر میں ٹھہرائے گئے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک صاحب آئے اور کہا "آپ حیران ہوں گے یہ ساری عمارت صرف دو ماہ میں بنی"۔ ابن انشاء نے حسب فرمائش حیران ہو کر کہا "اچھا' یقین نہیں آتا"! وہ صاحب گئے تو ایک اور آ گئے اور بولے "آپ کو شاید پتہ نہیں یہ عمارت صرف دو ماہ میں تیار ہوئی ہے۔" ابن انشاء نے کہا "بھئی کمال ہے۔" جونہی وہ گئے تو ایک اور صاحب آ گئے اور فرمانے لگے "آپ یقین کر سکتے ہیں یہ عمارت دو ماہ میں بنی" تو ابن انشاء نے تنگ آ کر کہا "واقعی یقین نہیں آتا کہ اس پر دو ماہ لگ سکتے ہیں۔ کیا ان کام چور انجینئروں اور مزدوروں کو کوئی سزا ملی؟" لیکن ہمیں ظہور حسین گیلانی صاحب کی صلاحیتوں پر اس قدر اعتماد ہے کہ ہمیں لگتا ہے انہیں سٹوڈیوز فارغ نہیں ملے۔ ہو سکتا ہے اداکار دوسرے سیٹوں پر مصروف رہے ہوں پھر ہماری فلم انڈسٹری میں اتنی تیکنیکی سہولتیں بھی میسر نہیں ورنہ وہ اس فلم پر اس سے بھی کم دن لگاتے پھر انہوں نے صرف "دن" ہی تو لگائے ہیں۔ یوں بھی جے کے چسٹرٹن نے کہا

ہے ''جلدی کرنے میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس میں وقت بہت لگتا ہے''
اگرچہ لوگ ہماری بات کا جلدی جلدی صرف اسی وقت اعتبار کرتے ہیں جب ہم اپنی بد
تعریفی کر رہے ہوں تاہم اس فلم میں ہمیں یہ خوبیاں نظر آئیں۔

۱۔---------------------------

۲۔---------------------------

۳۔---------------------------

۴۔---------------------------

مزید اس وقت ذہن میں نہیں آرہیں بقول کو فمین ہم یہی کہہ سکتے ہیں ''یہ ایک طویل
مگر چھوٹی فلم ہے''۔

آ۔داب

تحریک اصلاح معاشرہ نے ملک سے رشوت اور سفارش ختم کرنے کے لئے جن اقدامات کا اعلان کیا ہے' ان میں مشاعرے کرانا بھی شامل ہے یوں' ہمیں یہ تحریک اصلاح مشاعرہ لگنے لگی ہے مگر ہمارے شاعر دوست آخر مراد آبادی بڑے خوش ہیں۔ اگرچہ اردو شاعری پر ہمارا بڑا احسان ہے اور اس بنا پر ہمیں اردو شاعری میں ہمیشہ یاد رکھا جانا چاہئے کہ ہم نے تمام مواقع ملنے کے باوجود شاعری نہیں کی البتہ بیس سال کی عمر میں ہم نے مشاعروں

میں آنا جانا بلکہ جانا شروع کر دیا تھا ہمارے خیال میں اس سے کم عمر لوگوں کو مشاعروں میں نہیں جانا چاہیے البتہ اگر بحیثیت شاعر جاتا ہو تب کوئی مضائقہ نہیں۔ مشاعرہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہر شاعر سمجھتا ہے کہ دوسرا اس کا شعر سن کر محظوظ ہو رہا ہے حالانکہ وہ اپنی باری قریب آنے کی وجہ سے خوش ہو رہا ہوتا ہے' البتہ کبھی کبھی سننے والے ان کے کلام سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ کلام تک نہیں کرتے۔ ایک بار تو آخر مراد آبادی نے جیل میں منعقدہ مشاعرہ ایسا لوٹا کہ وہاں کے لوگ انہیں اپنے پاس رکھنے پر بضد تھے۔ ان کی آواز میں سوز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جی ہاں سننے والوں نے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ایک بار استاد قمر سودائی نے انہیں کہا کہ صاحب لگتا ہے فلاں بندے نے آپ کا کلام نہیں پڑھا۔ پوچھا: آپ کو یہ کیسے لگا؟ کہا: "ایسے کہ وہ آپ کی تعریف کر رہا تھا"۔ ویسے مشاعرے کا سن کر جس شاعر کے چہرے پر رونق نہ آئے اس کا چہرہ نہ دیکھیں' نبض دیکھیں۔ ہمارے ہاں مشاعروں نے اتنی ترقی کی ہے کہ اب تو یہاں سے شاعر لندن تک بھیجے جاتے ہیں' جس پر ایک خاتون نے وہی کہا جو پہلی بار خلا میں بندر بھیجنے پر ایک صحافی خاتون نے لکھا تھا کہ یہ بندروں سے جان چھڑانے کا بڑا مہنگا طریقہ ہے۔ ویسے بندے کو ڈارون نے انسان کا جدامجد قرار دیا ہے جب اس نے یہ تھیوری پیش کی تو مقامی کالج کے کچھ لڑکوں نے آکر کہا کہ ہم تو نہیں مانتے کہ ہمارے باپ دادا بندر تھے۔ تو ڈارون نے کہا "تم نہیں مانتے تو نہ مانو میرا لڑکا تو مانتا ہے"۔ ویسے آخر مراد آبادی کے پاس بندہ گھڑی بیٹھ جائے تو اسے ڈارون کی باتوں پر یقین آنے لگتا ہے۔

شاعر ست رفتاری میں بڑے تیز ہوتے ہیں۔ بیوی کے ساتھ جا رہے ہوں سامنے مشاعرہ ہوتا نظر آ جائے تو اسے یہ کہہ کر وہیں چھوڑ جائیں گے' تم پانچ منٹ ٹھہرو میں آدھے گھنٹے میں آیا۔ ہمارے دوست شعیب بن عزیز کہتے ہیں میں لیچیاں کھاتے اور روایتی شعراء کا کلام پڑھتے ہوئے عینک ضرور لگا لیتا ہوں کہ کیا پتہ کب اول الذکر میں سنڈی اور آخر الذکر میں اچھا شعر نکل آئے۔ مشاعروں میں کئی لطیفے جنم لیتے ہیں جس کی وجہ آخر مراد آبادی نے وہی بتائی جو انہوں نے اس سوال کے جواب میں بتائی تھی کہ مشرقی پنجاب میں زیادہ لطیفے کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ وہ یہ تھی کہ محکمہ منصوبہ بندی کی نااہلیوں کی وجہ سے۔ ویسے

بھارت میں تو مشاعروں نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ وہاں جس ہال میں شاعرات کا مشاعرہ ہو رہا ہو اس کے دروازے پر موتیے کے ہار اور روپے روپے کے نوٹ بیچنے والے آجاتے ہیں۔ وہ داد ملنے پر آداب بھی یوں کہتی ہیں "جیسے کہہ رہی ہوں آ۔داب"۔

امریکہ نے سائنسی تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ موسیقی اور شاعری سن کر بھینسیں زیادہ دودھ دیتی ہیں، سو میلہ مویشیاں پر مشاعروں کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن سفارش اور رشوت کے انسداد کے لئے مشاعروں کا رول ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ سفارشیوں اور رشوت خوروں کو سبق سکھانے کے لئے انہیں ایسے مشاعروں میں بطور سامعین مدعو کیا جائے، بہرحال آخر مراد آبادی نے ان ممکنہ مشاعروں میں اپنا نام شامل کرانے کے لئے ابھی سے سفارشیں ڈھونڈنا شروع کردی ہیں۔

باپ رے باپ

لیجئے صاحب! پاکستان میں ابھی یہ فیصلہ ہو نہیں پایا کہ عمران خان [illegible] باپ [illegible]
نہیں کہ بھارتی قوم کی ولدیت کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ہاں [illegible] نے یہ [illegible] کیا ہے۔
گاندھی جی قوم کے باپ نہیں ہیں البتہ انہیں قوم کا فرزند کہا جا سکتا ہے [illegible] وہ [illegible]
میں دو جوان لڑکیوں کے سہارے چلتے تھے۔ اگرچہ ڈی این اے ٹیسٹ کے بغیر [illegible]
معاملات کا کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو سکتا تاہم ہمیں عمران خان سے زیادہ گاندھی جی سے

ہمدردی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان سردیوں میں بھارتیوں نے گاندھی جی پر دوسرا وار کیا ہے پہلے انہوں نے اس ٹھنڈے ٹھار موسم میں گاندھی جی کی لنگوٹی کلنٹن کو بھجوادی اب باپ ماننے سے انکاری ہیں اگرچہ گاندھی جی ایسے منکسر المزاج شخص تھے کہ بال ٹھاکرے انہیں منہ پر یہ کہتا تو ممکن ہے وہ خود اسے کہہ دیتے کہ میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔

بال ٹھاکرے پہلے سیاست دانوں کے کارٹون بنایا کرتے تھے اب اس کا سکوپ نہیں کیونکہ ایسے لوگ سیاست میں آنے لگے ہیں جن کی تصویروں ہی سے یہ کام لیا جاسکتا ہے' اسی لئے بال ٹھاکرے بھی سیاست میں آگئے۔ اب انہوں نے گاندھی جی کے خلاف باتیں شروع کردی ہیں جب وہ کارٹونسٹ تھے تو گاندھی جی ان کے "فیورٹ" تھے۔ گاندھی جی اپنی پوری زندگی ان کاموں کے خلاف رہے جن سے کسی کو انہیں باپو کہنے کا موقع ملے۔ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں "میری خواہش تھی آپ بیتی میں شادی والا باب لکھنا نہ ہی پڑے" ویسے تو بڑے آدمی کی بیوی جب تک بڑی نہ ہو وہ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی کیونکہ کوئی بندہ اپنی بیوی کا ہیرو نہیں ہوتا اور کوئی عورت اپنے ہیرو کی بیوی نہیں ہوتی۔ ایک باپ اپنے بچوں کے لئے سب سے اہم کام جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ اپنے بچوں کی ماں سے پیار کرے یوں گاندھی جی نے بھارت ماتا سے بہت پیار کیا یہ تو اچھا ہوا گاندھی جی کے کستوری بائی سے بچے تھے ورنہ بال ٹھاکرے کہہ سکتا تھا گاندھی جی قوم کے باپ بننے کے لائق ہی نہ تھے۔

مہاتما گاندھی سیلف میڈ آدمی تھے یعنی دھوبی نائی اور موچی کے محتاج نہ تھے وہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں "اپنے کپڑے دھونے اور اپنے بال خود کاٹنے سے یہ ہوتا کہ میرا کام بھی ہو جاتا اور دوستوں کی تفریح کا سامان بھی" دیکھنے میں ایسے تھے کہ دوران سفر ٹرین میں ٹکٹ چیکر سب سے پہلے ان کا ٹکٹ چیک کرتا اور موجود پاکر سمجھتا ان کے پاس ہے تو ہر کسی کے پاس ہوگا۔ صحت ایسی تھی کہ دیکھ کر انشورنس ایجنٹ کا رنگ پیلا پڑنے لگے' یہ ان کی مسیحائی تھی کہ بندہ ان کے پاس بیٹھ کو خود کو صحت مند سمجھنے لگتا۔ ان کی آپ بیتی پڑھ کر لگتا ہے وہ قیادت سے کہیں زیادہ عیادت کے اہل تھے۔ اب تو خیر ادویات کے شعبے نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ کوئی شخص بغیر دوائی کے نہیں مرتا۔ گاندھی جی ہر بیماری کا علاج پانی سے کرتے اس لئے پانی پی رہے ہوتے تو لگتا دوا پی رہے ہیں۔ ایسا علاج کرتے جس کے بعد بندہ بیماری کا

محتاج نہ رہتا وہ جو جو چیزیں نہیں کھاتے تھے ان کی لسٹ بنانا آسان ہے ایک نارمل اور صحت مند آدمی جو جو چیزیں کھاتا ہے اس کی لسٹ بنالیں۔ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں "میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا" حالانکہ وہ وکالت کرتے تھے لکھتے ہیں "جب میں وکالت کرتا تھا تو دعا مانگا کرتا تھا کہ اگر میرا موکل حق پر نہ ہو تو میں مقدمہ ہار جاؤں۔" سو اگر وہ مقدمہ جیت جاتے تو سمجھتے وہ حق پر تھے اگر ہار جاتے تو سمجھتے ان کا موکل حق پر نہیں تھا۔ خدوخال تو ان کے خال خال تھے کھانا کھا کر بیٹھے ہوتے تو لگتا بھوک ہڑتال پر بیٹھے ہیں۔ ان کی طاقت کا باعث یہی کمزوری تھی کہتے "جب پتہ چلتا کہ آشرم میں کسی نے کوئی فعل شنیع کیا ہے تو میں سات یا چودہ دن کا فاقہ کرتا"۔ یوں باہر سے آنے والوں کو گاندھی جی کی سکنات سے آشرم کی حرکات کا پتہ چلتا۔ وہ ساری زندگی اپنے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے ایک بار عہد کیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے تیار کیا لباس پہنیں گے۔ سو وہ جتنا کپڑا بن سکتے اس سے اپنا لباس بنتے۔ ان کی لنگوٹی دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے وہ کتنا کپڑا بن سکتے تھے۔ اسی لئے تو ابن انشاء نے کہا ہے "نہرو جی ان سے زیادہ نفیس تھے وہ تو دن میں کم از کم دو بار اپنے کپڑے اور قول بدلتے۔" گاندھی جی کی پسندیدہ موسیقی چرخے کی آواز تھی۔ گاندھی جی نے اپنی آپ بیتی میں اپنے قتل کا ذکر ہی نہیں کیا اس سے اندازہ لگالیں کہ وہ تشدد کے کتنے خلاف تھے۔ ان کی صحبت و صحت سے برصغیر کے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ باچا خان کو بھی سرحدی گاندھی کہا گیا تصویر میں ان کی صحت دیکھ کر کہنے کی وجہ نظر آجاتی ہے۔ پنجاب میں کوئی گاندھی اس لئے پیدا نہ ہوا کہ پنجابی صحت کا بہت دھیان رکھتے ہیں۔ گاندھی جی اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں" جب رولٹ ایکٹ کو قانونی شکل دی گئی تو مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کروں سو میں سو گیا رات کو خواب میں اس مسئلے کا حل میری سمجھ میں آگیا اور میں نے راجہ گوپال اچاری سے کہا کہ مجھے خواب میں خیال آیا ہے کہ اس قانون کے جواب میں ہمیں سارے ملک میں عام ہڑتال کرنی چاہئے۔" گاندھی جی کے اکثر فیصلوں سے یہی لگتا ہے کہ وہ اسی طرح فیصلے کرتے تھے اس سے قبل ہم سمجھتے تھے نیند بروں کے لئے اچھی اور اچھوں کے لئے بری ہے۔

جہاں تک گاندھی جی کے بھارتیوں کے باپ یا بیٹا ہونے کی بات ہے تو اسے بھارتیوں کی مرضی پر نہیں چھوڑا جا سکتا کیونکہ دونوں رشتے ایسے ہیں جن میں بندے کی

اپنی مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔ انگلینڈ میں کہتے ہیں "ذہین باپ وہ ہے جسے پتہ ہو کہ کون اس کا بیٹا ہے" جبکہ امریکہ میں ذہین بیٹا وہ ہے جسے پتہ ہو کہ اس کا باپ کون ہے۔ امریکہ میں تو بیٹا باپ سے عقلمند ہوتا ہے۔ ایک امریکی بیٹے نے اس کا یہ ثبوت پیش کیا تھا کہ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا اس کے باپ نے نہیں۔ ایک زمانہ تھا بچے بڑوں کے سامنے نہ بولتے تھے اب بڑے بچوں کے سامنے نہیں بولتے جہاں تک بال ٹھاکرے کا یہ اعتراض ہے کہ آخری عمر میں وہ دو جوان لڑکیوں کے سہارے چلتے تھے۔ تو یہ اعتراض شاید اس لیے کیا گیا ہو کہ آخری عمر میں تو بندہ لڑکیوں کے سہارے کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ گاندھی جی نے اپنا بوجھ قوم کی بجائے صرف دو لڑکیوں پر ڈالا وہ بھی یوں کہ تصویر دیکھو تو لگتا ہے انہوں نے اپنے بوجھ سے لڑکیوں کو سہارا دے رکھا ہے۔ لیکن بال ٹھاکرے کو کون سمجھائے وہ تو قوم کے باپ کا بھی باپ نکلا ہے شائد اسی لئے سب اسے بمبئی کا دادا کہتے ہیں۔

جلوس پیما

ہم نے ایک صاحب سے پوچھا ہماری سیاست سے جلسے جلوس نکال دیئے جائیں تو کیا بچے گا؟ بولے "سیاست بچے گی" ہمارے ہاں تو سال میں یہی چار موسم ہوتے ہیں ہڑتالوں کا موسم' جلسوں کا موسم' الیکشنوں کا موسم اور چھٹیوں کا موسم۔ آج کل جلسوں کا موسم ہے۔ جو کبھی اختر شماری کرتے تھے وہ آج کل جلسہ شماری کرتے نظر آتے ہیں۔ مردم شماری کرنے والا تو وہ ہوتا ہے جو گھر گھر جا کے آبادی میں اضافہ کرتا ہے جبکہ جلسہ شماری کرنے والے کو

بڑا کچھ سننا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ جلسے کے مقررین کی تقریریں بھی۔ ہمارے ایک دوست نے مولانا طاہر القادری صاحب کے احتساب مارچ کی جلسہ شماری کے بعد اعلان کیا کہ اس میں دس لاکھ سات ہزار دو سو تیرہ افراد تھے۔ ہم نے حیرانی سے پوچھا "آپ یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اتنے افراد تھے۔" تو بولا "دس لاکھ تو مولانا نے خود بتائے اور سات ہزار دو سو تیرہ میں نے خود گنے تھے"۔ لیکن صاحب ہم تو تعداد جاننے کے لئے ڈاکوؤں والا طریقہ ہی استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکوؤں نے بینک لوٹا تو ان کے ایک ساتھی نے کہا "گن نہ لیں تاکہ پتہ چل سکے کہ ہم نے کتنے کا ڈاکہ ڈالا ہے" تو دوسرے نے کہا "کیوں وقت ضائع کرتے ہو صبح کے اخبار میں پڑھ لیں گے۔" پھر خواتین کے جلسوں میں تو حاضری کی تعداد گننا اور بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ ہم نے حساب کے ایک ماہر سے پوچھا "جو بندہ 1965ء میں پیدا ہو وہ اب کتنی عمر کا ہوگا"؟ تو وہ بولے "پہلے یہ بتائیں وہ مرد ہے یا عورت" بہر حال ہمیں ایک سیانے نے بتایا تھا کہ بڑا جلوس وہ ہوتا ہے جس میں زیادہ سر ہوں اور چھوٹا وہ جس میں زیادہ ٹانگیں ہوں۔ ایک مزید سیانے نے یہ مسئلہ مزید آسان کر دیا کہ آپ شرکاء کی ٹانگیں گن لیں اور انہیں دو پر تقسیم کر کے کل بندے نکال لیں۔ چار پر تقسیم نہ کرنا ایک بھی بندہ نہ نکلے گا۔ افراد کو گننے کے پیمانے بھی معاشرتی حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ قرون وسطی میں مردم شماری کی جاتی تو خاندان کے افراد کی بجائے چولہوں کی تعداد پوچھی جاتی۔ رومی مورخ ہیور لیس جب ایک چھوٹے گاؤں کے بارے میں لکھتا ہے تو وہاں کی آبادی کا ذکر یوں کرتا ہے "اس کی آبادی پانچ چولہے تھے" پھر ترقی ہوئی تو چمنیوں سے آبادی گنی جانے لگی ایک چمنی تین افراد کے برابر ہوتی۔ زمانہ بدلا جب بینظیر بھٹو حکومت ختم ہونے کے بعد پہلی بار لاہور آئیں تو ان کے جلوس میں صحافی حامد میر موجود تھے۔ انہیں ایک جیالے زکریا بٹ نے کہا 30 سے 40 ہزار افراد کا ہجوم ہے۔ حامد میر نے اختلاف کیا تو اس نے کہا "میں بڑا چوکس آدمی ہوں لیکن آج اتنا ہجوم تھا کہ میری جیب کٹ گئی"۔ حامد میر لکھتے ہیں اس کے بعد میں نے اپنی جیب میں ہاتھ مارا تو وہ بھی خالی تھی بٹوہ نکل چکا تھا۔ زکریا بٹ افسوس کرنے کی بجائے خوشی سے اچھلنے لگا وہ کہہ رہا تھا "آپ کی بھی جیب کٹ گئی اور آپ کو پتہ نہ چلا دیکھ لیں کتنا بڑا جلسہ ہے" صاحب یہ پتہ نہیں صحافی کی جیب کتنا کتنوں کی جیب کٹنے کے برابر

ہے۔ بہر حال اگر فی جیب کٹنے سے مراد چار ہزار افراد بھی لئے جائیں تب بھی چالیس ہزار کے ہجوم میں دس جیبیں کٹیں گی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دس جیبیں تو صرف دس بندے کاٹ سکتے ہیں پھر باقی ہزاروں افراد وہاں کیا کر رہے تھے۔ ایسے ہی جیسے ایک بچے سے استاد نے کہا کہ خدا نے آپ کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ دوسروں کے کام آئیں۔ تو بچے نے پوچھا "پھر دوسروں کو کس لئے پیدا کیا ہے؟" بہر حال وہ جلسے کتنے بڑے ہوں گے جن کی وجہ سے ہماری گھر بیٹھے جیبیں کٹ جاتی ہیں۔ جیبیں کیا ہمارا تو روپیہ کٹ کٹ کر چالیس پیسے رہ گیا ہے۔ لیکن سچی بات ہے جلسہ ماپنے کا اس سے جدید طریقہ کوئی ہو نہیں سکتا۔ گنتی تو گنتی کے سیاست دانوں کو ہی پسند ہے۔ ہمارے آج کے ایک مقبول سیاست دان کے میٹرک میں نمبر کم آئے تو انہوں نے کہا تھا "دھاندلی ہوئی ہے گنتی دوبارہ کرواؤ" پھر انہوں نے اول آنے پر دعوت دی' وہ فیل ہونے والوں میں اول آئے تھے۔

ہر سیاست دان چاہتا ہے کہ اس کے جلسے بڑے بڑے ہوں گویا ہر سیاست دان کی خواہش ہے عوام کی جیبیں کٹیں۔ سیاست دان کو ووٹ دے کر جتوانا دراصل اسے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالنے کی اجازت دینا ہے۔ جیسے اولاد کے لئے باپ چلتا پھرتا بنک ہوتا ہے ایسے ہی عوام سیاست دانوں کے بنک ہوتے ہیں۔ جس سے وہ ہر وقت پیسہ نکالنے کا سوچتے رہتے ہیں۔ وہ زمانے کتنے اچھے تھے جب حکومتیں ہماری انکم کی بجائے اپنی انکم پر چلتی تھیں۔ پہلے لوگ غریبی کی وجہ سے جرائم پیشہ ہوتے تھے اب جرائم پیشہ لوگوں کی وجہ سے غریبی ہے۔ چالیس کی دہائی میں قوم کو ملک کی تلاش تھی اب ملک کو قوم کی تلاش ہے۔ حکومتی مشینری تو یہی کام کرتی ہے کہ وہ دس بندوں کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ مل کر ایک بندے جتنا کام کر سکیں۔ لیڈر ایک دوسرے کے خلاف جھوٹ بولتے ہیں لیکن تب کوئی خطرہ نہیں جب تک تو وہ ایک دوسرے کے خلاف سچ نہیں بولنے لگتے۔ وہ جب حکومت سے باہر ہوتے ہیں "وہ نہیں کریں گے جو غلط ہوگا" ایسے ہی مارک ٹوئن نے لکھا ہے "بچپن میں میں نے ایک چھکڑے سے تربوز چرایا اور اسے لے کر ایک جگہ چھپ گیا کھانے لگا تو مجھے خیال آیا کہ مجھے اسے نہیں کھانا چاہئے یہ ٹھیک نہیں ہے سو میں نے تربوز کو جہاں سے اٹھایا تھا وہیں رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اٹھا اسے دوبارہ اسی چھکڑے میں رکھ دیا اور وہاں سے جو ٹھیک لگا وہ اٹھالیا"۔ حکومت

میں آنے والی پارٹی وہی کرتی ہے جو حکومت میں آنے والی پارٹی ہمیشہ کرتی ہے۔ حال جنوبی افریقہ کے اس قصبے جیسا ہی ہے جہاں ہر سال نیا پولیس چیف منتخب کیا جاتا ہے جس کا سب سے پہلا کام اور اولین ذمہ داری پرانے چیف کو گرفتار کرنا ہوتی ہے۔

سیاست دان حکومت میں ہوں یا باہر ہمیشہ عوام کا ہی جلوس نکالتے ہیں۔ ہمیں تو اس جلوس پیا سے یہی پتہ چلا ہے کہ اصل مقابلہ عوام کی جیبیں کاٹنے کا ہے۔ صاحب سمجھ نہیں آتی عوام کو یہ سب پتہ ہے تو پھر وہ جلوسوں میں جاتے کیوں ہیں؟ شاید انہوں نے کسی سے یہ سن رکھا ہو کہ گمشدہ چیزیں اسی جگہ سے ملتی ہیں جہاں گم ہوتی ہیں سوائے محبت کے۔ ہم نے ایک لیڈر کو مبارک باد دی کہ ان کا جلسہ اتنا بڑا تھا کہ بے شمار لوگوں کی جیبیں کٹ گئیں تو وہ حیرانی سے بولا "لوگوں کی جیبیں کیسے کٹ گئیں میں تو اس وقت جلسے سے خطاب کر رہا تھا۔"

جوا-نی

جو جوان ہونا نہیں چاہتا وہ کوئی جوان ہی ہو سکتا ہے ورنہ تو لوگ اس کے لئے اتنا کچھ کرتے ہیں کہ ہمارے ایک جاننے والے کو کسی ستر سالہ سنیاسی بابا نے کہا "یہ دوا الو کے دماغ کے ساتھ استعمال کرو کبھی بوڑھے نہ ہو گے"۔ سو اس نے اپنا دماغ اور دوا استعمال کی' واقعی اس دوا کو کھانے کے بعد پھر وہ بوڑھا نہ ہوا' جوانی میں ہی چل بسا۔ یہ الگ بات ہے جوانی میں مر بھی جائے تو لوگ پوچھتے ہیں "کس پر مرا"؟ لوگ جوان رہنے کے لئے بڑے کام کرتے

ہیں مگر پیر پگاڑا صاحب نے کہا ہے "ہم ایسے کام نہیں کرتے جو بوڑھا کریں۔" وہ پیر ہیں اور پیروں کی باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں' ایک پیر صاحب کا دعوتی کارڈ آیا لکھا تھا ہمارے مزار پر شام محفل سماع منعقد ہو رہی ہے اور ساتھ محفل کا وقت صبح دس بجے لکھا تھا۔ یہ وہ پیر نہیں جو اتوار کے بعد آتا ہے اگرچہ ہمیں یہ تو نہیں پتہ "ایسے" کام کونسے ہوتے ہیں اور ویسے کونسے؟ اتنا پتہ ہے کہ جتنا کام ان کے مریدوں کے ہاتھ پاؤں کرتے ہیں ان سے زیادہ کام پیر صاحب کی آنکھیں کرتی ہیں۔ اگر ان کے بیان سے یہ مراد لیا جائے کہ کام کرنے سے بندہ بوڑھا ہو جاتا ہے پھر تو کسی سرکاری ملازم کو بوڑھا نہیں ہونا چاہئے۔ اس حساب سے ہماری جوانی بھی تادیر رہے گی کہ ایک جگہ ہم کام کرتے تھے' ایک دن باس سے کہا "ہم آپ کا کام چھوڑ کر اگلے ہفتے جا رہے ہیں" تو وہ پریشان ہو گیا بولا "میں تو سمجھ رہا تھا آپ اسی ہفتے جا رہے ہیں"۔ ہمارے ایک شاعر دوست کی صحت گر گئی' وہ سارا دن یہی پتہ کرتا رہتا کہ کہاں گری ہے۔ ایک ڈاکٹر نے معائنے کے بعد کہا کہ آپ وقت سے پہلے اس لئے بوڑھے ہو گئے ہیں کہ آپ کوئی سوچنے والا کام کرتے ہیں؟ تو اس نے کہا "ڈاکٹر صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں شاعر ہوں"۔ شاید اسی لئے ہمارے ہاں وہ نوجوان شاعر جو ہر مشاعرے کی کاسٹ میں شامل ہوتے ہیں ان کی عمریں اکثر پچاس سے ساٹھ سال کے درمیان ہوتی ہیں۔

صاحب دنیا میں اخبار "وال سٹریٹ" جتنا پڑھا جاتا ہے ہمارے ہاں بھی وال سٹریٹ اتنی ہی پڑھی جاتی ہے۔ کوئی غیر ملکی ہمارے شہروں کی دیواریں پڑھ لے تو یہی سمجھے کہ اس قوم کے مسائل میں سستی کمزوری اور بڑھاپا ہی اہم ہیں کیونکہ ہر دیوار پر لکھا ہوتا ہے 24 گھنٹے میں جوانی واپس' یہ علاج شرطیہ ہوتے ہیں یعنی افاقہ نہ ہو تو بیماری واپس۔ بیرون ملک تو دیواریں لکھنا ہی ایسا جرم ہے کہ سکاٹ لینڈ میں ایک میئر نے پینٹر کو کہا "اس دیوار پر لکھ دو یہاں اشتہار لکھنے والے کو حوالہ پولیس کیا جائے گا۔" اور پولیس اس پینٹر کو دیوار پر اشتہار لکھتے پکڑ کر لے گئی لیکن ہمارے ہاں تو دیواریں پڑھ کر لگتا ہے پوری قوم اشتہاری ہے۔ سو ممکن ہے پیر صاحب نے ان کا مندہ کرنے کے لیے کہا ہو کہ ایسے کام ہی نہ کرو جو بوڑھا کر دیں۔

جوانی تو دراصل جوا۔نی ہے جوئے کے ساتھ نی شاید اس لئے ہے کہ خواتین کی عمر

خوشامدید

مائیکل جیکسن نے جب پہلی بار بک کہا تو ہم نے یہی سمجھا کسی نے اسے گانے کے لیے بک کیا ہوگا مگر اب پتہ چلا کہ وہ نہ صرف خود بک ہے جس کی پروف ریڈنگ پلاسٹک سرجن ابھی تک کر رہے ہیں بلکہ اس کی شاعری کی بک "ڈانسنگ ڈریم" بھی چھپ گئی ہے۔ مائیکل جیکسن ان لوگوں میں سے ہے جن سے بندہ ان کے والد کا نام پوچھے تو کہتے ہیں "سیلف میڈ ہوں" برسوں سے امریکی اس کے بالغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے، مگر ہمیں پتہ ہے جو چالیس سال تک

بالغ نہ ہو سکے پھر عمر بھر اس کے بالغ ہونے کا خدشہ نہیں رہتا۔ ویسے بھی کہتے ہیں "بڑا شاعر بننے کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ بندہ چھوٹا بچہ بنے۔" مائیکل ان شرائط پر پورا اترتا بلکہ اتراتا ہے۔ اس کا حلیہ دیکھ کر تو ہمیں پہلے ہی اس پر شاعر ہونے کا شک تھا۔ جب اداکارہ انجمن نے شاعری شروع کی تو شاعروں نے اعتراض کیا کہ وہ "وزن" کا خیال نہیں رکھتیں۔ اب انہوں نے شاعری چھوڑ دی ہے' پھر بھی شاعر یہی کہتے ہیں۔ مگر انگریزی شاعری میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ ویسے بھی مائیکل کی صحت ایسی ہے کہ کسی کو اس کی تصویر بنانے کو کہا جائے تو وہ کاغذ پر کالی پنسل سے لمبا الف کھینچ دیتا ہے۔ اگرچہ الف ہونا شاعری سے زیادہ شو بزنس میں چلتا ہے۔ تاہم کسی شاعر نے اس کی شاعری پر اعتراض نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ شیشے کے گھر میں رہنے والے دوسروں پر پتھر نہیں پھینکتے۔ حالانکہ ہمارے خیال میں تو شیشے کے گھر میں رہنے والوں کی اصل پریشانی یہ نہیں بلکہ غسل کرنا ہے۔ بہر حال ہم ادب میں مائیکل جیکسن کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا شاعر دوست آخر مراد آبادی تو کسی امریکی کو خوش آمدید بھی یوں کہتا ہے جیسے خوشامدید کہہ رہا ہو۔ البتہ وہ امریکہ سے ناراض ہو تو پھر اسے بائے امریکہ نہیں کہتا "ہائے امریکہ" کہتا ہے۔ ویسے بھی آج کل جس نے کبھی خوشامد نہیں سنی اس سے ہمیں ہمدردی ہے۔ ظاہر ہے بہروں سے ہمدردی ہی کی جا سکتی ہے۔

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ مائیکل جیکسن بڑا قیمتی شاعر ہے کیونکہ ایک بار ہم نے لکھ دیا فلاں ہمارے قیمتی شاعر ہیں تو آخر مراد آبادی کئی دن تک ہم سے اس کی قیمت پوچھتے رہے۔ یوں بھی ہمارے ہاں بندہ اس وقت تک شاعر نہیں بن سکتا جب تک اس کے پاس ذاتی تخلص نہ ہو۔ ہم نے ایک بار اپنے دوست سے کہا کہ آپ اپنا تخلص فراموش رکھ لیں تو وہ ناراض ہو گیا۔ حالانکہ قصور ان کے والدین کا تھا جنہوں نے اس کا نام احسان رکھا تھا۔ سو اس حساب سے مائیکل جیکسن شاعر بننے سے بچا ہوا ہے۔ کہتے ہیں اس نے اپنی شاعری کی کتاب پر کئی برس کام کیا، اسی لیے اس کتاب میں کام ہی کام ہے شاعری نہیں۔ وہ تو پیار کی بات بھی یوں کرتا ہے بندہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس کی نظمیں سمجھنے کے لیے اسے سمجھنا ضروری ہے اور مائیکل کو سمجھنا بڑی نا سمجھی ہے۔ ایک بار رابرٹ براؤننگ نے اپنی تجریدی نظم "سورڈیلو" لندن پوئٹری سوسائٹی میں پڑھ کر سنائی۔ ان سے نظم کا مفہوم بتانے کو کہا گیا تو رابرٹ

براؤننگ نے وہ نظم دوسری مرتبہ پڑھ دی اور کہا کہ جب میں نے اسے لکھا تھا تو خود اور خدا کے علاوہ اس کا مطلب کوئی نہ جانتا تھا' لیکن اب صرف خدا ہی جانتا ہے۔ الزبتھ ٹیلر نے جیکسن کی کتاب کا دیباچہ لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ الزبتھ ٹیلر نے خود شاعری کیوں نہیں کی۔ کبھی کبھی بندے کو ایک آدھ گھنٹہ فارغ مل ہی جاتا ہے لیکن الزبتھ کو اتنا فارغ وقت ملے تو شادی کر لیتی ہیں۔ ویسے شادی اور شاعری میں یہی قدر مشترک ہے کہ دونوں کاموں کے لیے کسی کوالیفکیشن کی ضرورت نہیں۔ یہ سچ ہے کہ برا آدمی اچھا شاعر نہیں بن سکتا البتہ برا شاعر اچھا آدمی بن سکتا ہے اگر وہ شاعری چھوڑ دے۔

دنیا میں سب سے بوگس کتاب وہ ہوتی ہے جسے کوئی ادھار نہ مانگے۔ ظفر اقبال صاحب تو کہتے ہیں "میں سونگھ کر بتا دیتا ہوں کتاب کیسی ہے؟" چاہے کتاب شکاریات کے متعلق نہ بھی ہو۔ لیکن ہم کتاب کے بارے میں تب تک ہمیشہ اچھی رائے کا اظہار کرتے ہیں جب تک اسے پڑھ نہ لیں۔ سومائیکل کی شاعری کی کتاب بہت اچھی ہے ویسے بھی ہم شاعری کی کتاب پڑھ کر زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ شاعری کی کتاب ہے۔ تاہم الزبتھ ٹیلر نے کہا ہے اس کتاب میں ایک روشنی ہے۔ روشنی تو ہمارے ہاں چھپنے والی شاعری کی کتابوں میں بھی ہوتی ہے مگر اس کے لیے کتاب کو ماچس دکھانا پڑتی ہے۔

دُخترِ مشرق (فلمی) دُخترِ مشرق (غیر فلمی)

ہم میں بچپن ہی سے مزاح نگار بننے والی خوبیاں تھیں۔ کلاس میں ٹیچر جب سوال پوچھتا تو ہم جو بھی جواب دیتے اس پر کلاس کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ تاریخ کے پرچے میں ہمیں صرف اس لئے فیل کر دیا گیا کہ ہم نے عدل جہانگیری میں جہاں جہاں اس کی بیوی نور جہاں کا ذکر آیا اس کے ساتھ ملکہ ترنم لکھ دیا۔ بعد میں ہمیں دونوں کا فرق پتا چلا تو آئندہ ہم ملکہ نور جہاں کے ساتھ بریکٹ میں غیر فلمی لکھ دیتے تاکہ پتہ چلے کہ کونسی نور جہاں ہے۔ تاریخ

اپنے آپ کو دہراتی ہے یہ الگ بات ہے جب بھی دہراتی ہے قیمتیں بڑھ چکی ہوتی ہیں۔اب ہمیں بے نظیر بھٹو کے لیے دختر مشرق (غیر فلمی) لکھناپڑے گا کیونکہ وہ بھٹو کی دختر ہونے کے علاوہ دختر مشرق بھی ہیں۔ اداکارہ صاحبہ وہی ہے جس سے نعیم بخاری نے ایک پروگرام میں پوچھا" آپ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو جانتی ہیں؟" تو بولیں "نہیں "لوگوں نے برامنایااب تواس کے سامنے ڈاکٹر عبدالقدیر کا ذکر کریں تو کہتی ہے" میں تو جب بھی بیمار ہوتی ہوں امی انہیں ڈاکٹر صاحب سے دوائی لاکر دیتی ہیں۔" صاحبہ شاید اس لیے خود کو دختر مشرق کہتی ہیں کہ اسے روزنامہ "مشرق" نے متعارف کروایا ہے۔

صاحب فلمیں ہمارے معاشرے پر بہت اثرانداز ہوتی ہیں۔ میں نے جب بھی اسمبلی کی کارروائی دیکھی میرا اس پر یقین اور پختہ ہو گیا۔ صاحبہ ایسی اداکارہ ہے کہ اگر آپ اسے جانتے بھی ہوں تب بھی آپ اس کی اداکاری کی تعریف کر سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ روحی بانوں نے اسلام آباد کی ایک تقریب میں بے نظیر بھٹو کو اپنی پسندیدہ اداکارہ کہا ہے۔ جب کہ ثمینہ پیرزادہ تو محترمہ کو اداکاروں میں شامل کرتی ہے وہ کہتی ہے بے نظیر مردوں میں رہ کر مرد ہوگئی ہے گویا بے نظیر اور صاحبہ میں یہ فرق ہوا کہ بے نظیر' ساتھ صاحب بھی ہے جبکہ اداکارہ صاحبہ صرف صاحبہ ہی ہے۔ سابقہ حکومت نے نئی نسل کو اس کنفیوژن سے بچانے کے لیے کہ اصلی "دختر مشرق" کون ہے؟ محترمہ کی کتاب دختر مشرق سکولوں اور لائبریریوں کو خریدنے کا حکم دیا تھا۔ یہ محترمہ کی آپ بیتی ہے۔ صاحب ہم آپ بیتی کو ہمیشہ ایک نامکمل کتاب سمجھتے ہیں کیونکہ آپ بیتی تب تک پوری نہیں ہوتی جب تک لکھنے والا پورا نہیں ہو جاتا۔ کچھ کتابیں پڑھ کر لگتا ہے آپ بیتی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی' دختر مشرق ان میں سے ایک ہے۔ جیسے ایک بیوی نے لکھا تھا" اس نے میری زندگی کے بہترین سال نیوی میں گزارے" ایسے ہی محترمہ نے اپنی زندگی کے بہترین سال اس آپ بیتی کے چھپنے کے بعد گزارے۔ محترمہ اتنا پڑھتی ہیں کہ ان کی قریبی سہیلی ایک بار انہیں ملنے گئی پتہ چلا وہ پڑھ رہی ہیں تو واپس آ گئی۔ اگلے دن محترمہ نے پوچھا" تم کل آئی نہیں تھی؟" وہ بولی" میں تو مقررہ وقت پر آئی تھی پتہ چلا آپ مصروف ہیں۔" محترمہ بولیں" نہیں میں تو پڑھ رہی تھی۔" ایک پڑھے لکھے نقاد نے کہا ہے محترمہ کی آپ بیتی سرقہ ہے اس کا ایک ایک

لفظ فیروز اللغات میں موجود ہے۔ اس سے قبل ہمارے حسب سابق صدر ایوب خان نے کتاب لکھی "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" اس کتاب عیوب کو خریدنے کا حکم سرکاری دفتروں، لائبریریوں اور حکومت کے دوسرے محکموں کو دیا گیا اور ان محکموں نے ساری کتاب خرید کرا سے عوام سے محفوظ کر دیا۔ سو موصوف نقاد کے بقول یہ کتاب بھی اسی لیے لائبریریوں میں رکھوائی گئی کیونکہ لائبریری وہ جگہ ہے جہاں کتابیں تب تک مستور کی جاتی ہیں جب تک وہ ردی میں بیچنے کے لائق نہیں ہو جاتیں۔ بے نظیر دور میں جس طرح عوام کو تنگ کیا گیا ہمیں ڈر تھا کہ اگر حکومت کو غصہ آ گیا تو وہ کتاب دختر مشرق پڑھنا لازمی قرار دے دے گی۔ بارہویں صدی میں جب سوانح عمری لکھنے کا رواج ہوا تو اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی کہ اس میں جھوٹ ہوتا تھا یہ اس زندگی کو چھپانے کے لیے لکھی جاتی جو بندے نے گزاری ہوتی۔ آج بھی ایک اچھی سوانح عمری میں یہی خوبی ہوتی ہے۔ ادیبوں کے زمانے میں وصیت کے متن سے لکھنے والے کے کردار کے بارے میں اندازہ لگایا جاتا۔ اب اخبارات سے لگاتے ہیں۔ فلمیں معاشرے کا "رش پرنٹ" ہیں تو اخبارات تاریخ کا "رف ڈرافٹ۔" ہو سکتا ہے محترمہ نے اپنی آپ بیتی پہلے ہی اس لئے لکھ دی ہو کہ انہیں پتہ تھا کہ بعد میں وہ اتنی مصروف ہو جائیں گی کہ آپ بیتی لکھنے کا وقت نہ ملے گا۔ جب سے محترمہ کی حکومت گئی ہے پی ٹی وی پر انہیں "محترمہ" کے بجائے "صاحبہ" کہہ کر پکارا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اور مشکل پیش آ رہی ہے۔ بے نظیر صاحبہ نیوز کاسٹر بننا چاہتی تھیں اس لئے جب وزیر اعظم بنیں تو خبرنامے میں اتنا آتیں کہ دیکھ کر لگتا وہ اپنی یہی خواہش پوری کر رہی ہیں۔ ان دنوں اگر ٹی وی انہیں "صاحبہ" کہتا تو ہم یہ فرق کر لیتے کہ ایک صاحبہ ٹی وی والی ہے اور ایک صاحبہ فلم والی۔ جہاں تک دختر مشرق ہونے کا معاملہ ہے صاحبہ کہتی ہے مجھے یہ خطاب عوام نے دیا ہے سو اس کے ہوتے ہوئے بے نظیر صاحبہ کو دختر مشرق (غیر فلمی) ہی لکھنا پڑے گا۔

4 - پائی

مغربی ڈاکٹروں نے تحقیق و تفتیش کے بعد اعلان کیا ہے کہ اگر آپ روزانہ کرسی ہلائیں تو ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ میڈیکل کالج ورجینیا نے اس تحقیق کی تصدیق کی ہے اگرچہ یہ کوئی نئی دریافت نہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب کی صحت کا راز یہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے یہ طریقہ ہمارے برسر اقتدار حلقوں میں رائج رہا سابق وزیر اعظم بلکہ حسب سابق وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اتنا کھاتے کہ لوگ انہیں خواجہ ہاضم الدین کہتے۔ ان کے دور

میں جب خوراک کا قحط پڑا تو بیرونی ممالک کے صحافی اپنے اخباروں کو اس قحط کی جو وجوہات بھجواتے ان میں خواجہ صاحب کی تصویریں بھی ہوتیں وہ تو خواجہ صاحب کا تلفظ بھی یوں ادا کرتے "لماجا صاحب۔" کسی نے خواجہ صاحب سے کہا "آپ گھڑ سواری کریں تو آپ کا وزن کم ہو جائے گا" اور واقعی ایک ماہ بعد وزن آدھا رہ گیا تھا مگر گھوڑے کا۔ تاریخ گواہ ہے خواجہ صاحب کا وزن اس دن کم ہوا جب غلام محمد صاحب نے ان کی کرسی ہلائی۔ سکندر مرزا صاحب کی غیرت ناہید کا وزن بڑھا تو انہوں نے بڑا جتن کیا۔ بیوی کے یوں آگے پیچھے پھرتے کہ خاوند کم اور خادم زیادہ لگتے مگر خاتون اول ناہید خانم کا وزن بھی صدر ایوب صاحب کے کرسی ہلانے سے ہی کم ہوا۔ جن دنوں انگلینڈ میں ضبط تولید کی گولیاں استعمال کرنے کی مہم زوروں پر تھی تو ایک صاحب ٹرین میں دس چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے کسی نے حیرانی سے پوچھا "یہ سب آپ کے ہیں؟" کہا "نہیں میں ضبط تولید کی گولیاں بیچتا ہوں یہ میرے گاہکوں کی شکایتیں ہیں۔" سو ہماری قیام پاکستان سے اب تک کی تاریخ دراصل کرسی کی ہی شکایتوں پر مبنی ہے۔ کرسی نے وہ کیا کہ ہم جیسے تو سن کر ہی آیت الکرسی پڑھنے لگتے ہیں۔ ہمیں کرسی کبھی اچھی نہیں لگی ہم پاکستانیوں کو وہ فرنیچر بھاتا ہی نہیں جس پر ہم لیٹ نہ سکیں کیونکہ لیٹ جانا تو ہماری عادت ہے۔ ہمارے وزراء تو بیرون ملک تقریبات میں بھی اکثر لیٹ جاتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو ہمیں کرسی چارپائی کے مقابلے میں چارپایہ لگتی ہے' یہی نہیں اس پر بیٹھتے ہی بندے میں ایسی عادات بھی آجاتی ہیں۔ کہتے ہیں کرسی وہ چوپایہ ہے جس کے بازو بھی ہوتے ہیں' ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ چوپایہ تو وہ چار ٹانگوں والا کہلاتا ہے جو چلتا ہے۔ تو صاحب ہم نے تو گھروں اور اسمبلیوں میں کرسیاں ہی چلتی دیکھی ہیں۔ پھر بقول اخلاق احمد دہلوی آپ کرسی پر اردو میں نہیں بیٹھ سکتے' پنجابی میں بیٹھنے کی کوشش کریں تو ساتھ کرسی بھی بیٹھ جاتی ہے۔ مغرب میں ہر چیز بجلی سے چلنے لگی تو بجلی والی کرسیاں بھی آگئیں مگر چارپائی کو ایک پائی کا فرق نہ پڑا۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ ملک میں کرسی کی بجائے چارپائی کو رواج دیا جائے کیونکہ کرسی پر تو صرف ایک بندہ بیٹھ سکتا ہے جبکہ ہم نے چارپائی کے ہوتے ہوئے کسی کو کھڑے نہیں دیکھا حالات سے لگ بھی رہا تھا کہ چارپائی بچھنے والی ہے مگر اہل مغرب چاہتے ہیں ہم روز کرسی ہی ہلانے میں لگے رہیں۔ سو انہیں اب اس کام کے طبی فائدے بھی گنوانے شروع کر دیئے ہیں۔

زیبا اور نازیبا

اگرچہ ہمارا فلموں سے کبھی تعلق نہیں رہا' پھر بھی ہم جانتے ہیں جیسے کالجوں میں دو قسم کے شاگرد پائے جاتے ہیں۔ شاگرد رشید اور شاگرد شیخ رشید۔ ایسے ہی الفاظ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک زیبا اور دوسرے نازیبا۔ دنیا کے دو ذخیرے جہاں سب سے زیادہ نازیبا الفاظ ملتے ہیں وہ دماغ' دھن اور ڈکشنری ہیں' جبکہ زیبا الفاظ کے بارے میں کانفرنس عالمی اردو کانفرنس کے کنوینر اداکار محمد علی ہم سے بہتر بتا سکتے ہیں۔ نواب زادہ نصر اللہ

خان کا یہ کہنا کہ میں نے پی ڈی اے کے جلسے کے بارے میں ''شادی بیاہ'' جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ میں نے ساری زندگی ''ایسے نازیبا'' الفاظ استعمال نہیں کیے۔ قرین قیاس ہے کہ انہوں نے اپنی شادی پر بھی یہ الفاظ استعمال نہ کیے ہوں' اسے ازدواجی اتحاد کہہ کر پکارا ہو۔ لیکن ساری زندگی ''ایسے نازیبا'' الفاظ استعمال نہ کرنے کا انہوں نے یوں کہا ہے کہ ہمیں لگا شادی بیاہ کوئی قابل اعتراض لفظ ہے۔ ویسے ہمارے ہاں لڑکا لڑکی اپنے منہ سے شادی بیاہ کا لفظ نکالیں تو بزرگ آنکھیں' چھاتی اور چھڑی نکال کر یوں پیچھے پڑ جاتے ہیں جیسے انہوں نے کوئی فحش لفظ کہہ دیا ہو۔ صاحب ڈاکٹر ہونے کے ناطے ہم تو یہ جانتے ہیں دنیا میں صرف ایک لفظ فحش ہے جسے ہر کسی نے فحش کہا وہ لفظ ہے ''فحش۔'' انگریزی میں شادی کو Marri-age کہتے ہیں۔ اگرچہ انگریزی نے شادی کے ساتھ ایج یعنی عمر لگادی ہے۔ تاہم ایک صحافی نے الزبتھ ٹیلر سے پوچھا ''بندے کو آخری شادی کس عمر میں کرنا چاہیے؟'' تو اس نے کہا ''عمر کا تو پتہ نہیں البتہ آخری شادی بندے کو آخر میں کرنا چاہیے۔'' ہو سکتا ہے نوابزادہ صاحب کو یہ لفظ اس لئے ناپسند ہو کہ اس میں بندے کو تین بار قبول ہے قبول ہے' قبول ہے کہنا پڑتا ہے۔ یا ممکن ہے وہ شادی کو جمہوری عمل نہ سمجھتے ہوں۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں اپنی طالب علمی کے دوران ہم نے ایک سروے کیا تھا' کہ پاکستان کے سب سے بڑے ڈکٹیٹر کا نام لکھیں۔ جواب میں شادی شدہ خواتین میں سے کچھ نے اپنے خاوندوں کے نام لکھ دیئے تھے۔ اگرچہ امریکہ میں اتنی جمہوریت ہے کہ وہاں گھروں میں بھی جمہوری نظام چلتا ہے۔ روز ویلٹ کے دور میں سیسیر لانگ ایک بار گھر آیا اس کی بیوی اپنے ''بوائے فرینڈ'' کے ساتھ ''فرینڈلی'' ہو رہی تھی۔ بوائے فرینڈ کھسکنے لگا تو بیوی بولی ''میرے خاوند جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کمرے میں ہم دو ہیں اور وہ ایک' سو انہیں اکثریت کی بات ماننا پڑے گی۔''

خواجہ معین الدین صاحب نے تو جمہوریت کی کمال تعریف کی ہے۔ طلبہ سے پوچھا ''ہمایوں اور اکبر میں باپ کون تھا؟'' اگرچہ دونوں ہی باپ تھے اپنے اپنے بچوں کے۔ بہر حال دس لڑکوں میں سے تین نے کہا ''ہمایوں اکبر کا باپ تھا'' جب کہ سات نے کہا ''اکبر ہمایوں کا باپ تھا'' سو خواجہ صاحب نے لکھا جمہوریت کی رو سے اکبر ہمایوں کا باپ

ہے۔ واقعی! تاریخ نے بھی یہی ثابت کیا اور اکبر ہمایوں کا بھی باپ نکلا۔ جمہوریت اور مارشل لاء میں وہی فرق ہے جو کنوارگی اور شادگی میں ہے۔ نواب زادہ صاحب کی طرح ہم خود مارشل لاء کی مار سے شل ہیں۔ پیر پگاڑا تو ہیں نہیں جو مارشل لاء بھی یوں کہتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں مار شل لا۔

ہم شادی بیاہ کو نازیبا لفظ نہیں سمجھتے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ لفظ نہیں پورا جملہ مع جملہ حقوق ہے۔ اگرچہ یہ جملہ دنیا میں سب سے کم مرتبہ جن کے منہ سے نکلا وہ شادی شدہ لوگ ہیں۔ ویسے بھی عورتیں یہ بتانے کے لیے کہ وہ شادی شدہ ہیں انگوٹھیاں اور زیورات پہنتی ہیں۔ جب کہ مرد اس مقصد کے لیے پچھلے سال کے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہمارے ہاں محبت کا انجام شادی پر ہوتا ہے۔ گویا شادی نہ ہوتی تو محبت انجام تک نہ پہنچتی' جاری رہتی۔ ایسے ہی جمہوریت کی کوششوں کا انجام مارشل لاء پر ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ شادیوں کی ناکامیوں کی ایک وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ زیادہ تران لوگوں کی شادیاں ہورہی ہیں جنہیں پہلے شادی کا تجربہ نہیں۔ حکومت کی ناکامیوں کی کیا وجہ ہے؟ اس کی سمجھ نہیں آتی۔ جہاں تک نوابزادہ صاحب کے شادی بیاہ کے لفظ استعمال نہ کرنے کی وجہ کا تعلق ہے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شادی کا مطلب خوشی ہوتا ہے اور نواب زادہ صاحب اگرچہ دیکھنے میں ایسے لگتے ہیں کہ بندہ سوچتا ہے ابھی ہنسائیں گے جب وہ چھڑی اور پاجامہ پہنے' سر پر ترکوں کی ترک کی ہوئی ٹوپی اوڑھے' سنجیدہ گفتگو کرتے ہیں تو بڑا مزا آتا ہے جیسے پگاڑا صاحب سنجیدہ بات کردیں تو لوگ ان کی عیادت کو آنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی نواب صاحب کے منہ سے کوئی خوشی کی خبر سن لے تو وہ سب سے پہلے ماہر امراض کان ناک گلا سے کان چیک کرائے گا۔ سو ہمیں یقین ہے کہ شادی بیاہ کے الفاظ نوابزادہ صاحب نے نہیں کہے۔ یہ مصطفیٰ کھر صاحب کا بیان ہے جو غلطی سے نواب صاحب کے نام سے چھپ گیا۔

۱۔ حوالات

جو کسی کے منہ پر سچ کہے اور دوسرے کو اس پر غصہ آنے کی بجائے ہنسی آئے وہ مزاح نگار ہوتا ہے۔ معشوق اور مزاح نگار کی تو خیر سے گالی بھی خیر سگالی میں ہی آتی ہے لیکن ہمارے لیے یہ مسئلہ ہے کہ ہم کسی کی تعریف کر رہے ہوں تو سننے والے سمجھتے ہیں مذاق کر رہے ہیں۔ بہرحال ہم پنجاب پولیس کے "سردار" کے بڑے معترف ہیں حالانکہ ہم انہیں کبھی نہیں ملے، البتہ معترف ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے۔ وہ ہمیں اس لیے بھی پسند ہیں

کہ ہم نے مردوں کو بھی ان کے سامنے ''آئی جی! آئی جی!'' کہتے سنا ہے لیکن ہم ان کی تعریف اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کے بقول ان کے تین پولیس افسروں نے اکیسویں صدی کے مسائل کا حل تلاش کر لیا ہے۔

اکیسویں صدی میں کیا ہوگا؟ اس کا ہمیں اتنا ہی علم ہے کہ جواب تک نہیں ہوا وہ اکیسویں صدی میں ہوگا۔ پھر اکیسویں صدی میں ہمیں یہ خوبی بھی نظر آتی ہے کہ وہ یکدم نہیں آ رہی ہے ایک ایک دن کر کے آئے گی لیکن ہمارے ایک نجومی دوست کے مطابق آج کل چینی سفید ہوتی ہے' اکیسویں صدی میں ''بلیک'' ہوگی۔ اتنے چھوٹے بچے کاریں چرائیں گے جنہیں ابھی کار چلانی آتی نہ ہوگی' یوں انہیں شوفر سمیت کاریں چرانا پڑیں گی۔ معاشرے کی اصلاح کی بجائے معاشرے کے اسلحہ کا ذکر ہوا کرے گا۔ آج دس سپاہیوں کے حصے میں ایک کلاشنکوف آتی ہے تو تب دس کلاشنکوفوں کے حصے میں ایک سپاہی آئے گی۔ ہمارا خیال تھا کہ اکیسویں صدی میں بڑا مسئلہ یہی ہوگا کہ ان کے پاس کوئی مسئلہ نہ ہوگا اور یہ مسئلہ سوائے پولیس کے کوئی حل نہیں کر سکتا۔ ہمارے ایک دوست نے کہا ''ہم میاں بیوی میں کوئی مسئلہ ہو تو ہم آپس میں بات چیت نہیں کرتے'' سننے والے نے کہا ''اگر بات چیت نہیں کرتے تو پھر مسئلہ کیا ہے!'' ایسے ہی لاہور کے ایک ایم پی اے کے حلقے کے لوگوں نے کہا ''ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے'' ایم پی اے نے کہا ''کیا مقامی پولیس آپ کے مسئلوں میں دلچسپی نہیں لیتی؟'' جواب ملا ''لیتی ہے اور یہی تو مسئلہ ہے۔''

پولیس کے بارے میں ہم نے جب بھی ایماندارانہ رائے دینا چاہی کہا گیا پیشہ ورانہ رائے دو۔ اصل میں پولیس کو بدمعاشوں اور گناہ گاروں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے' سو صحبت کا اثر تو ہوتا ہی ہے۔ سو انہیں سدھارنے کا طریقہ یہی ہے کہ تھانوں میں زیادہ سے زیادہ بے گناہوں اور شریفوں کو رکھا جائے تاکہ پولیس کو اچھی صحبت نصیب ہو۔ ہم سمجھتے ہیں ہم پولیس کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ ظاہر ہے پولیس نہ ہوتی تو ہمیں محفوظ رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ حوالات کے احوالات میں ہم نہیں جانتے کہ اس کا کیا ذکر جس کے شروع میں ''احوا'' اور آخر میں ''لات'' ہو۔ مجرموں اور پولیس والوں میں مقابلہ ہوتا رہتا ہے جس میں پولیس کبھی اول اور کبھی دوم رہتی ہے۔ اگر مقابلہ عوام سے ہو تو پولیس ہمیشہ سوئم پر ہی آتی ہے۔

پولیس میں بھرتی کے لیے سب سے لازمی سونگھنے کی حس کا ہونا ہے۔ اسی حس والے حساس ادارے نے ایک بار اقبال ساجد کو عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے پوچھا "آپ کو کس نے پکڑا؟" کہا "دو سپاہیوں نے۔" پوچھا "نشہ کیا تھا؟" کہا "ہاں دونوں نے۔" سنا ہے ہمارے ہاں جسٹس ہوتی نہیں جسٹس ہوتے ہیں۔ پہلے لوگ انسپکٹر خریدتے تھے اب تو انسپکٹری خرید لیتے ہیں۔ فریقین میں سے آپ جس سے رشوت نہ لیں وہ الزام لگاتا ہے کہ پولیس دوسری پارٹی سے ملی ہوئی ہے' سو کیسوں میں غیر جانبدار رہنے کے لیے دونوں سے رشوت لینا پڑتی ہے۔ ہماری پولیس کوزے میں سمندر نہ سہی کوزے گر کو بند کر سکتی ہے۔ ایسے جوان بھی پولیس میں ہیں جنہیں پتہ ہی نہیں "خوف" کے کیا معنی ہیں؟ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ ایسے جوانوں کو تھپکی کی بجائے ڈکشنری دینا چاہیے۔

ہم آئی جی صاحب کو کوئی مشورہ تو نہیں دینا چاہتے کہ اونٹ دیکھ کر ہمیں ہمیشہ لگتا ہے خدا نے اسے مشوروں سے بنایا ہے۔ تاہم یہ ضرور سوچتے ہیں کہ اکیسویں صدی کے مسائل کا حل تو انہوں نے ابھی سے تلاش کر لیا ہے۔ پھر اکیسویں صدی میں وہ کیا کریں گے؟ قیاس ہے کہ بیسویں صدی کے مسائل کا حل تلاش کریں گے۔ اگرچہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے مگر ہم کیا کریں' ڈاکٹروں نے میٹھے سے منع کر رکھا ہے۔

پولیس مقابلہ حُسن

صاحب! بھارت میں جوں جوں مقابلہ حسن قریب آرہا ہے میاں بیوی کے جھگڑے زیادہ ہونے لگے ہیں ہر گھریلو خاتون ڈر رہی ہے کہ اس مقابلہ حسن میں کہیں وہ نہ ہار جائے صرف کمزور نظر والے خاوندوں کی بیویاں مطمئن ہیں۔ اس مقابلہ حسن سے مرد خوش ہیں جبکہ عورتیں اس کی مخالفت کر رہی ہیں چونکہ یہ عورتوں کا مقابلہ حسن ہے اور تحقیق کے مطابق عورت کے پانچ مخالفوں میں صرف ایک مرد ہوتا ہے۔ بھارتی خواتین کہہ رہی ہیں

کہ بھارت میں مس افلاس، مس بے روزگاری اور مس فرقہ پرستی کا مقابلہ ہونا چاہیے۔ صاحب! ان کا مقابلہ کون کرے۔ حالانکہ سیاست دانوں کے ہوتے ہوئے ان میں مس کونسی رہی ہو گی۔

بھارتی عورتوں سے ڈر کر حکومت نے حسن کی حفاظت کے لیے پولیس استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے پہلے بھارت میں بھی حسن کی حفاظت کے لیے کریمیں اور لوشن ہی استعمال کیے جاتے تھے کرناٹک حکومت جسے آج کل کر۔ناٹک حکومت کہا جا رہا ہے اس نے زنانہ پولیس کو موٹاپا کم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ پیٹ کے بغیر پولیس والا ایسے ہی ہے جیسے داڑھی کے بغیر مولوی۔ وہاں بھی زنانہ پولیس کی بھرتی کے وقت ان کی فگر کوک کی بوتل کی طرح ہوتی ہے۔ ایک سال بعد بھی فگر بوتل جیسی ہی ہوتی ہے لیکن تب تک یہ بوتل دو لٹر کی ہو چکی ہوتی ہے۔ سوچا گیا ہے ان موٹی پولیس والیوں کی موجودگی میں سمارٹ حسینائیں کمزور اور "ماڑی ماڑی" لگیں گی۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان کی موجودگی میں پولیس والیاں مزید موٹی اور بھدی لگیں گی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تو مال کی ایک برگر شاپ نے ایک بونا ویٹر رکھا ہے تاکہ ان کا برگر بڑا بڑا لگے۔ ہم بھی اپنا قد بڑھانے کے لیے تقریبات میں جسٹس نسیم حسن شاہ سے ہاتھ ضرور ملاتے ہیں۔ بہر حال بنگلور کی پولیس والیوں کو سمارٹ ہونے کے لیے اس سے زیادہ محنت کرنا پڑ رہی ہے جتنی اس مقابلے میں شرکت کرنے والی حسینائیں کر رہی ہیں۔ زنانہ پولیس کو یہ بھی حکم ملا ہے کہ وہ ساڑھیوں کی بجائے پتلونیں پہنیں کہ ساڑھی والی پولیس سے لوگ نہیں ڈرتے۔ واقعی ساڑھی سے خاوند ہی ڈرتا ہے، خاص کر کے اس وقت جب پتہ چلے کہ ہمسائی نے نئی ساڑھی خریدی ہے۔ حالانکہ پہلے عوامی جگہوں پر زنانہ پولیس کے پتلون پہننے پر پابندی صرف رش کم کرنے کے لیے لگائی گئی تھی۔ بنگلور بھارت کا وہ شہر ہے جو پولیس والوں کے پیٹ کی طرح بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی انتظامیہ چاہتی ہے کہ ان کی لیڈیز پولیس اتنی سمارٹ ہو کہ دیکھنے والے کو یہ پولیس مقابلہ حسن لگے تاکہ دنیا جان سکے کہ اس تقریب کے لیے کتنی تیاری کی گئی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک تقریب میں اپنے استقبال کو آنے والے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے دیکھ کر ایک وزیر نے کہا تھا "لگتا ہے آپ میرے استقبال کی تیاریاں کئی برسوں سے کر رہے ہیں۔"

کرناٹک کے وزیر اعلیٰ خود صرف حسن اتفاق سے مالامال ہیں فرماتے ہیں بھارت میں عالمی مقابلہ حسن ہونے سے ہماری انڈسٹری اور ٹورازم کو فائدہ ہوگا۔ پوچھا گیا "کیسے؟" بولے "مثال کے طور پر لوہا' میگنیشیم' سلفر اور فاسفورس انڈسٹری جو 49 سالوں سے گھاٹے میں جا رہی ہے اسے فائدہ ہوگا" پوچھا "اس کا مقابلہ حسن سے کیا تعلق؟" بولے "یہ تمام عناصر انسانی جسم میں ہوتے ہیں سو جو مقابلہ حسن کے لیے آئیں گی ان کے جسموں میں بھی ہوں گے سو ان کا مقابلہ حسن سے تعلق کیسے نہ ہوا؟" پوچھا "ٹورازم؟" بولے "ہمارا ٹورازم دنیا میں نمبر ایک ہو جائے گا" عرض کیا "کیسے؟" کہا "ایسے کہ آپ کے پاس اس سے زیادہ ٹورسٹ آئیں گے جتنے بھارت میں دوسرے ممالک کو جاتے ہیں آسان ہے!" پوچھا "اس میں اور مقابلہ حسن میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا؟" بولے "کیونکہ یہ سب مقابلے کے بعد ہوگا پھر اس کی اور کیا وجہ ہوگی سوائے مقابلہ حسن کے" صاحب! کچھ خیالات اتنے انٹی لیکچوئل ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی احمق ہی یقین کر سکتا ہے۔ بہرحال بقول خامہ بگوش مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں جن کاموں پر سزا ہو جاتی ہے انہیں کاموں پر ہمارے ہاں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں عطا کی جاتی ہیں۔ ایسے ہی مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں جن خواتین کو ملکہ حسن منتخب کیا جاتا ہے ہمارے ہاں ایسی خاتون کونسلر منتخب نہیں ہو سکتی۔ حسن کے مقابلے دیکھ دیکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی عورتیں ہیں ایک خوبصورت اور دوسری وہ جو سستی اور محنت سے جی چراتی ہیں اسی لیے ایک حسینہ عالم نے کہا تھا "مجھے خوبصورتی ورثے میں ملی ہے۔" دوسری بولی "واقعی! اس کی والدہ اس کے لیے بیوٹی پارلر چھوڑ کر مری۔" ویسے دنیا کی سب سے خوبصورت عورت کو دلہن کہتے ہیں اگرچہ یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ دنیا کی سب دلہنیں تو خوبصورت ہوتی ہیں پھر ان کی جگہ بدصورت عورتیں کہاں سے آجاتی ہیں؟ بیشتر خواتین صرف اس لیے خوبصورت ہوتی ہیں کہ وہ مناسب فاصلے پر ہوتی ہیں۔ پتہ نہیں مقابلہ حسن کے ججوں کو مقابلے میں شریک لڑکیاں کیسے حسین نظر آتی ہیں۔ کہتے ہیں حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔ اگرچہ حسن کے خلاف اس سے سخت فقرہ کوئی نہیں ہو سکتا پھر بھی اس حساب سے تو حسن جج کی آنکھ میں ہوا۔ حسن نہ ہوا موتیا ہو گیا۔ جیسے ہمارے ہاں رویت ہلال کمیٹی میں چاند دیکھنے والے ایسے رکھے جاتے ہیں کہ چاند ان کے

سامنے کھڑا ہو تب بھی اسے ٹٹول کر ہی دیکھ سکتے ہیں ایسے ہی مقابلہ حسن میں جے سوریا جیسے جج ہیں جن کے پاس حسین لڑکی لمحہ بھر کے لیے کھڑی ہو جائے تو اور حسین لگنے لگے۔ ملکہ حسن کے انتخاب کے لیے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو' جو بڑا مشکل کام ہے۔ فرانسیسی کہاوت ہے "حسن اور حماقت ساتھ ساتھ ہوتے ہیں" کہتے ہیں عورت خوبصورت اس لیے ہوتی ہے کہ مرد اس سے شادی کر سکے اور بے وقوف اس لئے کہ وہ مرد سے شادی کر سکے۔ مغرب میں عورت کو آرٹ کا نمونہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے بارہ سال کی عمر میں وہ ایک سکیچ ہوتی ہے' پندرہ سال کی عمر میں ایک ڈرائنگ' اٹھارہ سال کی عمر میں وہ پینٹ ہوتی ہے جبکہ 20 سال کی عمر میں اس کی ایگزی بیشن ہوتی ہے۔ عالمی مقابلہ حسن' دراصل عورتوں کی انٹر نیشنل ایگزی بیشن ہی تو ہے۔ ہمارا تو یہ نظریہ ہے کہ اگر وہ برائیوں میں سے بھی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو وہ چنو جو زیادہ خوبصورت ہو۔ سو ملکہ حسن کا انتخاب بھی بڑی خوبصورتی سے ہونا چاہیے۔ کچھ حسیناؤں نے اس مقابلہ میں سفارش چلنے کے خدشے کا اظہار کیا ہے اس پر ہم کچھ نہیں کہتے کیونکہ کوئی حسینہ چل رہی ہو تو ہمیں یہی لگتا ہے سفارش چل رہی ہے۔ اسی لئے جرمن حسن کو سفارشی خط کہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو یہ مقابلہ حسن والوں اور پولیس والیوں کے درمیان ہے دیکھتے ہیں اس پولیس مقابلہ حسن میں کون پار ہوتا ہے!

قلم درازیاں

صاحب، جیلوں کا شروع سے ہی ادب پر بڑا احسان ہے۔ شعر سنانے کے لیے تو جیل سے اچھی جگہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ یہ واحد جگہ ہے جہاں سننے والے کے بھاگ جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ ایک خبر کے مطابق سابق ہیوی ویٹ چمپئن مائیک ٹائی سن نے جیل میں ناول لکھنا شروع کر دیا ہے جس کا نام "برین ڈیڈ" ہے۔ ہم مائیک ٹائی سن کو جانتے ہیں اس لئے ہم نے ناول کے نام "برین ڈیڈ" یعنی مردہ دماغ سے اندازہ لگایا کہ یہ اس

کی آپ بیتی ہو گی مگر کہہ نہیں سکتے کیونکہ ٹائی سن کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں کہ وہ تو کسی کے سامنے اپنے دست کو دراز بھی کرے تو لگتا ہے' دست درازی کر رہا ہے۔ یہی کچھ کرنے کے نتیجے میں آج کل جیل والے اس کو بھگت رہے ہیں۔ ٹائی سن جس علاقے میں رہے اس کی سب سے بڑے مداح وہاں کے ڈینٹل ڈاکٹر ہوتے ہیں کیونکہ موصوف کی وجہ سے ان کے ہاں رش رہتا ہے۔ وہ خود بلیک ہے' امید ہے اس کا ناول بھی بلیک ہو گا۔ وہاں کے صحافیوں نے تو لوگوں کو مشورہ دے دیا ہے کہ پہلی فرصت میں مائیک ٹائی سن کا ناول پڑھ لیں ورنہ جیل سے رہا ہونے کے بعد آپ کی اس سے ملاقات ہو گئی اور اس نے پوچھ لیا کہ میرا ناول پڑھا ہے؟ اگر جواب "نہیں" میں ہوا تو پھر آپ بھی "نہیں" میں ہوں گے۔

باکسر مائیک ٹائی سن اتنا مالدار ہے کہ محبوبہ کو تحفے میں کار دیتا تو ساتھ ایک سڑک بھی لے دیتا جس پر وہ کار چلا سکے۔ خیر محبوبہ کو سڑک تحفے میں دینا کوئی بڑی بات نہیں ہم ایک بھکاری کو جانتے ہیں جس نے تحفے میں محبوبہ کے بھائی کو اپنی سڑک دے دی تھی۔ سنا ہے مائیک ٹائی سن نے ناول کی تعمیر کے لیے بہت مہنگا پلاٹ خریدا' اگرچہ "برین ڈیڈ" کا ہیرو ایک باکسر ہے۔ مصنف پڑھنے والوں کو ہیرو باکسر کے ساتھ رنگ میں لے جاتا ہے اور ہیرو کو ان پر چھوڑ کر خود باہر آ جاتا ہے۔ ہیرو اتنا پیٹتا ہے کہ ہمیں تو پبلشر کے بھی پٹنے کا ڈر ہے۔ یوں یہ ناول اتنا دل پر اثر نہیں کرتا جتنا جبڑوں پر' ناول کی ہیروئن سورج کے طلوع ہوتے ہی لباس سے طلوع ہوتی ہے اور ہیرو میں غروب ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ تو آپ مانیں گے ہیوی ویٹ چیمپئن رائٹر سے زوردار حملہ اور جملہ کسی کا نہیں ہو سکتا ہے۔ ٹائٹل کے لیے ایک کارٹونسٹ نے مائیک ٹائی سن کا کارٹون بنایا ہے' جس پر ٹائی سن نے کارٹونسٹ سے کہا:

"تم نے بہت اچھا کارٹون بنایا ہے" تو اس نے انکسار سے کہا "میں نے تو پورٹریٹ بنایا ہے۔"

ہماری ذاتی رائے میں شاعری کی کتاب پر تبصرہ آسان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بشیر بدر صاحب نے فراق گورکھپوری کو کتاب "اکائی" بھیجی اور درخواست کی کہ اپنی گرانقدر رائے سے نوازیں تو انہوں نے جو رائے بھیجی وہ یہ تھی:

"اکائی دھائی. سینکڑہ' ہزار' دہ ہزار' آپ کا فراق گورکھپوری"

شاعری کی کتاب چھپنا ویسے بھی مہنگا پڑتا ہے۔ میرے دوست "ف" نے پوچھا: "تم ناواقف صاحب کو بڑا شاعر مانتا تھا مگر؟" پوچھا "مگر کیا انہوں نے شاعری چھوڑ دی؟" کہا "نہیں ان کی کتاب چھپ گئی۔"

کئی برس قبل ہم نے رضیہ بٹ کے ناول پر تبصرہ لکھا تھا "ناول بہت اچھا، صاحب کاتب نے کمال کیا ہے۔" ویسے بھی ہم ناول نگاری کو زنانہ صنف سخن سمجھتے ہیں شاید اسی لیے مائیک ٹائی سن نے اس طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ خاتون ناول نگاروں کے بارے میں تو مشتاق احمد یوسفی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ اگر کسی خاتون ناول نگار کی جنس بھی بدل جائے اور اس کی مونچھیں نکل آئیں پھر بھی لوگ اس کو سابق خاتون ناول نگار کہہ کر ہی پکاریں گے۔ ویسے شاید خواتین اس لیے زیادہ ناول لکھتی ہیں کہ ناول طویل ہوتا ہے یوں اسے لکھنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ بہر حال مغرب میں ناول مر رہا ہے اور ہمارے ہاں ناول نگار مر رہا ہے۔

تنقید کا ادب میں وہی مقام ہے جو کھیلوں میں باکسنگ کا۔ ایک بار جوش صاحب سے ملازم نے کہا: "ایک صاحب آئے ہیں' کہتے ہیں میں نقاد ہوں۔"

پوچھا "اکیلے ہیں؟"

کہا: "نہیں ساتھ سات آٹھ بندے ہیں' وہ کہتے ہیں یہ میرے دوست ہیں۔" جوش صاحب نے جوش میں آکر کہا "وہ جھوٹ بول رہے ہیں میں انہیں نقاد نہیں مانتا۔" کسی نے کہا "آپ دیکھے بغیر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" جوش صاحب بولے "جس کے آٹھ دوست ہوں وہ نقاد کیسے ہو سکتا ہے؟" سو صاحب' ہم نقاد تو نہیں' اتنا جانتے ہیں ناول پڑھنے سے آسان کام ایک ہی ہے وہ ہے ناول لکھنا۔ سمرسٹ ماہم نے کہا تھا "ناول لکھنے کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں' لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا یہ تین کیا ہیں؟" ہمارے خیال میں لکھنے کے لیے صرف ایک چیز ضروری ہے وہ ہے ٹائپ رائٹر۔ آج کا ٹاپ کا رائٹر ٹائپ رائٹر ہی ہے اور ریڈر' پروف ریڈر' مائیک۔ ٹائی سن کو یہ سب میسر ہیں' اسی لیے انہوں نے کہا ہے باکسنگ کی طرح میں رائٹنگ میں بھی ہمیشہ جیتوں گا' ہمیں بھی امید ہے کہ ان کا ناول پہلے ہی راؤنڈ میں قارئین کو ناک آؤٹ کر دے گا۔

آٹو زبائیو گرافی

اگرچہ ملکی مسائل حل کرنے کا آسان طریقہ تو یہی ہے کہ شکایت کرنے پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ ویسے ہر مسئلے کے تین حل ہوتے ہیں ایک صحیح، دوسرا غلط اور تیسرا حکومتی حل۔ مزاح نگار تو اکثر دوسروں کو مشورے دیتے رہتے ہیں جن پر عمل نہ کر کے دوسرے ترقی بھی کر جاتے ہیں جیسے جب ہمیں پتہ چلا کہ پاکستان میں اکثر حادثے ڈرائیوروں کی غفلت کی وجہ سے ہوتے ہیں تو ہم نے حکومت کو مشورہ دیا کہ حادثوں کی فوری روک تھام کے لیے یہ ریں

کہ گاڑیوں کے ڈرائیور نہ ہوں۔ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب نے دیکھا کہ سب سے آخر والا بچہ لاڈ پیار کی وجہ سے اکثر بگڑ جاتا ہے سو انہوں نے حل یہ بتایا کہ آخری بچہ ہونا ہی نہیں چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں چاند کی وجہ سے اکثر عیدیں آگے پیچھے ہو جاتی ہیں چاند نہ ہوتا تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیدالفطر ہر جگہ ایک دن ہوتی۔ یہی نہیں سڑک کے کنارے جو درخت برسوں سے ایک جگہ کھڑے ہوتے ہیں جونہی کوئی تیز رفتار گاڑی بے قابو ہوتی ہے تو وہ یکدم گاڑی کے سامنے آکودتے ہیں سو ہم نے مشورہ دیا تھا سڑک کے کنارے والے درختوں کو باندھ کر رکھنا چاہیے۔ حالات حاضرہ ہمیں حا—لات حاضرہ لگتے بلکہ لگتی۔ لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ امن وایمان کی صورت حال اتنی خراب کیوں ہے اب حکومت کے فیصلے سے پتہ چلا کہ یہ موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ کی وجہ سے ہے۔ یوں حکومت نے بڑے شہروں میں فوری طور پر ڈبل سواری پر پابندی لگا کر ملک سے آدھے جرائم کا خاتمہ کر دیا ہے۔ جرائم کم کرنے کے لیے حکومت ہمیشہ کوششیں کرتی رہتی ہے جیسے سابق وزیر داخلہ نے اپنے دور بابری میں جرائم کم کرنے کے لیے اعلان کیا تھا کہ زنانہ پولیس کو پتلونیں پہنائی جائیں وہ تو زنانہ پولیس نے پتلونیں نہ پہنیں ورنہ جرائم بڑی حد تک کم ہو چکے ہوتے۔ عورتوں کے پتلون پہننے سے مرد مہذب ہو جاتے ہیں اس لیے بس میں چڑھتے وقت خاتون نے پتلون پہنی ہو تو اس سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں کرتے۔

ہمارے ایک دوست کے بقول ہم اتنا گاڑی کو نہیں چلاتے جتنا گاڑی ہمیں چلاتی ہے۔ اس کے باوجود ہمیں موٹر سائیکل پر کبھی اعتبار نہیں رہا۔ موٹر سائیکل پر اعتبار کریں بھی تو کیسے کہ یہ موٹر ہے نہ سائیکل۔ جب موٹر سائیکل ایجاد ہوئی تھی تو لوگ اسے پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ اب بھی اگر یہ اس رفتار سے سڑک پر چل رہی ہو تو دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ عوام کی طرح موٹر سائیکل کا بھی پتا نہیں چلتا یہ مونث ہے یا مذکر— بہر حال اس کا یہ فائدہ ہے کہ آپ کے پاس موٹر سائیکل ہو تو آپ کو کار چوری کا ڈر نہیں رہتا۔ اب تو چوریاں بھی چوری چھپے نہیں ہوتیں۔ چند روز پہلے کی خبر ہے ایک ڈاکو چند منٹ کے لیے بینک لوٹنے گیا واپس آیا تو کسی نے اس کی کار چرا لی تھی۔ چور اتنے تیز ہو گئے ہیں کہ دروغ بر گردن دروغہ گورنمنٹ آفس میں چور گھس آئے

اور انہوں نے ہونے والے الیکشن کے نتائج چرا لیے۔

غربی جرائم کی ماں اور امیری باپ ہے۔ جرائم کم کرنے کے لیے کئی طریقے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے اندراج کا طریقہ کار اور پیچیدہ بنا دیا جائے دوسرا یہ ہے کہ جرائم پر ٹیکس لگا دیا جائے، ٹیکس اور بیوی سے کون نہیں ڈرتا۔ ایک صاحب بتا رہے تھے میرا بزنس ٹھپ ہو گیا ہے چوہے دان بناتا تھا لیکن اب کوئی چوہا پھنستا ہی نہیں، سیلز ٹیکس سے ڈرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں ڈبل سواری پر پابندی لگا کر جرائم کم کرنا سب سے جدید اور شدید قانونی طریقہ ہے۔ صاحب! لاز اور ان لاز جتنے کم ہوں اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک دانشور کہتا ہے "کوئی ملک جتنا کرپٹ ہو گا اس میں اتنے ہی قوانین زیادہ ہوں گے۔" ہمیں قوانین میں نیوٹن کا قانون سب سے زیادہ پسند ہے۔ جب زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تو یہ ہماری حفاظت کرتا ہے اور ہمیں گرنے سے بچاتا ہے۔ اس قانون میں یہ خوبی ہے کہ اسے پولیس لاگو نہیں کرتی۔ ویسے بھی پولیس کہاں قانون لاگو کرتی ہے۔ قانون پولیس لاگو کرتے ہیں۔ کہتے ہیں قانون اس مچھر دانی کی طرح ہوتا ہے جس میں سے بڑا مچھر بآسانی گزر جاتا ہے۔ آج کل ڈاکے اور سردی بہت پڑ رہی ہے لیکن روپے کی قیمت کم ہونے کی وجہ سے ڈاکوؤں سے پہلے جتنا نقصان نہیں ہوتا ایسے ہی جیسے ایک دکاندار کی چوری ہو گئی ہم نے پوچھا تو بولا "نقصان تو بہت ہوا پر اتنا نہیں ہوا جتنا اگر کل چوری ہوتی تو ہوتا" ہم نے پوچھا "بچت کیسی ہوئی؟" بولا "میں نے آج سارا مال سیل پر لگا دیا تھا۔"

ہمیں پتہ چلا ہے اگرچہ ڈبل سواری پر پابندی ہے لیکن آپ بیوی کو بٹھا سکتے ہیں اگر وہ ڈبل ہو پھر بھی۔ آج کل کہتے ہیں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھیں اور شہر کی سڑکوں کی سیر کریں، موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھیں اور شہر کی جیلوں کی سیر کریں۔ ہمارے ہاں جیلیں بہت کم ہیں اس لیے بہت سے لوگوں کو ان کا حق نہیں ملتا۔ جیل میں اتنا رش ہوتا ہے کہ ہم نے ایک جیلر سے پوچھا "آپ کی جیل میں کتنے مجرم ہیں؟" بولا "سب مجرم ہیں" آئرلینڈ کے ایک ٹاؤن میں جرائم پیشہ افراد کی تعداد بڑھی تو جیل چھوٹی ہو گئی۔ نئی جیل بنانے کے لیے ٹاؤن کے پاس فنڈز نہ تھے سو وہاں کی کونسل نے درج ذیل فیصلہ کیا:

شہر میں نئی جیل تعمیر کی جائے گی۔

یہ جیل پرانی جیل کے میٹریل سے بنائی جائے گی۔

جب تک نئی جیل نہیں بن جاتی تب تک پرانی جیل استعمال کی جائے گی۔

خیر سیاستدانوں کے فیصلے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ایک ملک کے سیاستدان نے وعدہ کیا کہ میں جیت گیا تو کار کی قیمت موٹر سائیکل جتنی کر دوں گا۔ سو اس نے جیت کر اپنا وعدہ یوں سچ کر دکھایا کہ موٹر سائیکل کی قیمت کار جتنی کر دی۔

ہماری سڑکیں ایسی ہیں کہ ان پر تحریکیں ہی چل سکتی ہیں اس کے باوجود ہر چوک میں سیاست اور ٹریفک پھنسی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں محتاط ڈرائیور اسے کہتے ہیں جو اشارہ توڑنے سے پہلے ادھر ادھر دیکھ لیتا ہے۔ ہر کسی کو اتنی جلدی ہے کہ تاشقند میں ہماری گاڑی اشارے پر رکی ہمیں باتوں میں یاد ہی نہ رہا کہ اشارہ کھل چکا ہے لیکن حیرانی ہوئی کہ پچھلی کسی گاڑی نے ہارن نہ بجایا ہم نے ساتھی سے کہا "آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر ایسا لاہور میں ہوتا تو——" وہ لمحہ بھر کے لیے رکا اور بولا "یہ اسی لئے ہے کہ لاہور میں لوگوں کو جلدی ہوتی ہے کہیں اور جانے کی لیکن یہاں کے لوگ تو پہلے ہی وہاں ہیں جہاں یہ جانا چاہتے ہیں——" موٹر سائیکل پر دوسری سواری بٹھانے پر پابندی کے بعد سے ویگنوں میں اتنا رش ہو گیا ہے کہ بیٹھنے کے لیے سیٹ لینے کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ آپ ویگن ڈرائیور بن جائیں سڑکوں پر اتنا رش ہے کہ نگران وزیر جاوید جبار صاحب نے کہا کہ نگران وزیر بننے کا یہی فائدہ ہے کہ گاڑی پارک کرنے کے لیے جگہ نہیں ڈھونڈنا پڑتی۔ پارکنگ کی حد تک ہم جاپان بنتے جا رہے ہیں۔ ایک جاپانی صحافی لکھتا ہے "میری بیوی جب بھی کہیں پارکنگ کے لیے خالی جگہ دیکھتی ہے کار خریدنے کی ضد کرنے لگتی ہے۔" ان سب مسائل کا حل اس اسپینی کہاوت میں ہے کہ اگر بے عیب اور مستقل سواری چاہتے ہو تو پیدل چلو۔ بہر حال موٹر سائیکل میں یہ فائدہ ہے کہ پچھلی سیٹ پر پابندی لگا کر آدھے جرائم کم کئے جا سکتے ہیں۔ ہماری تو خواہش ہے کہ اگلی سیٹ پر بھی پابندی لگا کر مکمل طور پر جرائم کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن کچھ شر پسند عناصر کہتے ہیں ڈبل سواری پر پابندی سے حالات بہتر ہوئے ہیں لیکن صرف ڈیوٹی پر موجود پولیس والوں کے گھریلو حالات——!!

مسرت شاہین بمقابلہ فضل الرحمٰن

اردو میں ہسٹری کا ترجمہ تاریخ ہے لیکن تاریخ کے لیے انگریزی میں جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ ڈیٹ ہے۔ جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ہمارے ہاں ڈیٹ پر لوگ اتنی اتنی دیر کے بعد جاتے ہیں کہ کسی سے یہ پوچھو کہ اس کی پچھلی ڈیٹ کب تھی تو اسے یہ جاننے کے لیے ہسٹری دیکھنا پڑتی ہے۔ البتہ ہم ہسٹری اور ڈیٹ کا فرق یوں کرتے ہیں کہ اگر ذکر خاتون کا ہو تو ڈیٹ سمجھتے ہیں' کیونکہ ہمارے ہسٹری میں قومی ہیرو تو ملتے ہیں قومی ہیروئین کوئی نہیں۔
لیکن اس بار ہماری ہیروئین مسرت شاہین نے قومی بننے کے لیے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مستقبل کی وزیر ثقافت ہوں' اگرچہ اب بھی وہ آ رہی ہوں تو یہی لگتا ہے پوری وزارت ثقافت چلی آ رہی ہے۔ مصطفیٰ کھر صاحب کے دور میں اداکارہ ترانہ گورنر ہاؤس

گئی تو واپسی پر اسے گارڈ نے سلیوٹ کیا۔ دیکھنے والے نے پوچھا "تم نے جاتے ہوئے تو اسے سلیوٹ نہیں کیا تھا؟ وہ بولا "جاتے ہوئے تو وہ صرف ترانہ تھی اب قومی ترانہ ہے۔" اگرچہ مسرت شاہین میں شروع ہی سے لیڈر بننے کی صلاحیتیں موجود تھیں وہ جہاں کھڑی ہوتی ٹریفک کھڑی ہو جاتی' جب چلتی تو لوگ بے اختیار اس کے پیچھے چلنے لگتے۔ کئی ملکوں کے لیڈروں کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ لوگ ان کا پیچھا کر رہے ہیں یا پیچھے آ رہے ہیں۔ البتہ اداکاراؤں کو پتہ ہوتا ہے لیکن مسرت شاہین نے ڈیرہ اسماعیل خان سے مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلے میں الیکشن لڑنے کا اعلان کر کے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے' کیونکہ مولانا کو مل کر ہمیں مسرت ہوتی ہے اور مسرت کو مل کر تو شاہین ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کو الگ الگ پلڑے میں ڈالا جائے تو وہ ہم پلہ ہیں' اب دیکھتے ہیں کس کا پلہ کتنا اور کہاں سے بھاری ہوتا ہے۔ مسرت شاہین کا ڈانس دیکھ کر لوگ نسوار منہ میں ڈالنا بھول جاتے ہیں تو مولانا کی باتیں سن کر جیب میں ڈالنا۔ اس سے پہلے مسرت شاہین کا جوڑ بدر منیر کے ساتھ بنتا تھا۔ پتہ نہیں مولانا کے ساتھ اس کے جوڑ کا کیا بنتا ہے۔ وہ حسینہ ایٹم بم ہیں اور مولانا ایٹم بم نہ سہی بم آیٹم تو ہیں۔ مولانا گوہر نوشاہی صاحب کی گوہر افشانی ہے کہ عورت کو کبھی راز نہ بتاؤ چاہے وہ بیوی ہی کیوں نہ ہو' پولیس والے پر اعتماد نہ کرو خواہ گہرا دوست ہی کیوں نہ ہو' اور مولوی خواہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو اس سے ہوشیار رہو۔ مسرت شاہین بڑی ہوشیار خاتون ہیں۔ پتہ نہیں وہ مولانا کو کیا سمجھ کر ان کے مقابلے میں آئی ہیں۔ سابق رکن اسمبلی قاضی فضل اللہ ایڈووکیٹ نے کہا چلو اچھا ہوا مسرت شاہین کے مولانا کے مقابلے میں آنے سے یہ بات تو طے ہو گئی کہ مولانا کے مقابلے میں اب کوئی مرد نہیں رہا۔ اگرچہ اس بیان سے یہی لگتا ہے قاضی صاحب مسرت شاہین کو نہیں جانتے۔ مسرت شاہین اس خاندان سے ہیں جہاں لڑکی کا ووٹ بنتے ہی "سپورٹ" کرنے والوں کی لائن لگ جاتی ہے۔ اگرچہ ہم نے ایک بار مسرت شاہین سے پوچھا کہ آپ کو کون کون سپورٹ کرتا ہے تو ناراض ہو گئیں کہ تم مجھے ایسی سمجھتے ہو؟ ایسی ہی ایک اداکارہ کے ایک "سپورٹر" نے ناراض ہو کر اس کا ماہانہ اور موبائل بند کر دیا اور ملازم کو کہلا بھیجا کہ اب تم سے میرا کوئی تعلق نہیں میری تصویر بھی واپس کر دو۔ تو اس نے نوکر کو تصویروں کا بنڈل دیتے ہوئے کہا "اپنے صاحب سے جا کر کہو کہ ان میں سے اپنی تصویر پہچان کر نکال لے۔" ویسے جو چیزیں پیسے سے خریدی جا سکتی ہیں ان میں سب سے بہتر

سیاست دان ہیں۔ جب سیاست دانوں کی قیمتیں بڑھی تھیں تب ہی ہمیں اندازہ ہو گیا تھا' اب اداکارائیں سیاست میں آئیں ہی آئیں۔ پھر مسرت شاہین جس عمر کی ہیں اس میں فلموں سے زیادہ پیسہ سیاست میں کمایا جاسکتا ہے۔

امریکہ میں محبت اور گولف میں سب جائز ہے ہمارے ہاں محبت میں سب جائز ہے سوائے بچوں کے۔ البتہ لڑنے اور الیکشن لڑنے میں ناجائز بھی جائز ہے۔ امریکہ ہوتا تو دونوں امیدواروں کے وزن' قد' کمر اور پسند ناپسند کا مقابلہ کیا جاتا۔ مولانا کے بارے میں ہمیں صرف اتنا پتہ ہے کہ کھانوں میں انہیں کھانا پسند ہے' جبکہ موصوفہ کو جوتوں' جیولری اور خاوندوں کا ٹیسٹ بہت بڑھیا ہے۔ ایک دفعہ کہنے لگیں "آؤ تمہیں اپنے خاوند سے ملاؤں بڑے اچھے ہیں!" عرض کیا "آپ کے خاوند ہمیشہ ہی اچھے ہوتے ہیں۔" البتہ مسرت شاہین لباس پہننے میں اکثر کنجوس واقع ہوئی ہیں' جبکہ مولانا نے تو کاندھے پر بھی رومال رکھا ہوا ہے۔ اگر ملادو پلازہ فارن افیئرز کے سابق چمپئن ہیں تو اپنی جوانی میں موصوفہ کے بھی بڑے فارن افیئرز تھے۔ مولانا اجمل صاحب نے کہا ہے "مسرت شاہین کا الیکشن لڑنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔" لگتا ہے انہوں نے موصوفہ کو آتے دیکھ لیا ہے۔ اسے تو جاتے ہوئے دیکھ کر بھی یہی لگتا ہے قیامت آرہی ہے۔ چھوٹی موٹریں اور بڑی عورتیں پیدا کرنے والے ملک اٹلی کی ایک ساحرہ نے الیکشن لڑا' اس نے الیکشن پر اس قدر کم خرچہ کیا کہ سب سے "چیپ" رہی۔ اس ساحرہ نے کہا "شفاف الیکشن کے لیے" ضروری ہے کہ امیدوار بھی شفاف ہو۔" سو اس اداکارہ نے اپنی ساری کمپین شفاف لباس پہن کر چلائی۔ اس نے مردوں کو دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے اسے ووٹ نہ دیئے تو ان کی بیویوں کو ان کے بارے میں سچ سچ بتادوں گی۔ سو تمام مردوں کے ووٹ ملنے کے باوجود وہ ہار گئی' کیونکہ کسی عورت نے اسے ووٹ نہ دیا۔ اس بار تو الیکشن لڑنے کے لیے اپنے اثاثے ظاہر کرنا بھی لازمی ہے' اس پر مولانا کو شاید مسئلہ ہو' مسرت شاہین کو اس میں کوئی مشکل نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے یہ اپنی ہر فلم میں ظاہر کئے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود مولانا کو گھبرانے کی ضرورت نہیں' کیونکہ سیاست میں عورت کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے' اگر وہ بدصورت ہو تو مرد اسے ووٹ نہیں دیں گے' اگر خوبصورت ہے تو عورتیں نہیں دیں گی۔ ویسے بھی مولانا فضل الرحمٰن بڑے آدمی ہیں اور ہر بڑے آدمی کی کامیابی کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے اور آج کل مسرت شاہین ان کے پیچھے ہے۔

اَدبی سونگھ بوُجھ

صاحب! پاکستان دنیا کے ان ممالک میں سے ہے جہاں سب سے کم کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ یوں پاکستان میں ادیبوں اور شاعروں کا بڑا وقار ہے۔ کسی نے کہا تھا "پرل ایس بک کی کتاب گڈ ارتھ بہترین کتاب ہے جنھوں نے اسے نہیں پڑھا وہ اسے ماسٹر پیس گردانتے ہیں۔" سڈنی سمتھ تو کہتا ہے کتاب پر تبصرہ لکھنے پر پہلے اسے نہیں پڑھتا کیونکہ بندہ کتاب پڑھ لے تو اس کی رائے متعصب ہو جاتی ہے' ہمارے ہاں کلاسیک سے مراد وہ کتابیں ہیں جن کی لوگ

تعریفیں کرتے ہیں مگر پڑھتے نہیں۔ عظیم ادیب اور شاعر اس لئے تو نہیں ہوتے کہ ان کی کتابیں پڑھی جائیں اس لئے ہوتے ہیں کہ سیاستدان اور اداکار اپنے انٹرویوز میں ان کا نام لے سکیں۔ ہماری ایک ایسی ہی اداکارہ نے بک شاپ پر فون کر کے کہا مجھے غالب' اقبال اور فیض کا پورا سیٹ بھیج دیں' ساتھ کچھ پڑھنے کو بھی بھجوا دینا۔ ہم نقادوں کی طرح ہر وقت بک بک تو نہیں کرتے رہتے پھر بھی جس ادیب شاعر سے ہمارے تعلقات خراب ہو جائیں اس کی کتابیں پڑھنے لگتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب تو پڑھنے کے قابل ہی نہ تھی۔ ہم نے اس کا یہ حل نکالا کہ کتاب لا کر ڈرائنگ روم میں رکھ دیتے اگر کوئی اس کتاب کو مانگ کر نہ لے جاتا تو ہم سمجھتے یہ پڑھنے کے لائق نہیں جسے کوئی مانگ کر لے جاتا اسے دلچسپ اور پڑھنے والی کتاب سمجھتے اور اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگتے۔ اگر وہ واپس کر دیتا تو ہمیں یقین ہو جاتا کہ اچھی کتاب نہ ہو گی ورنہ وہ کیوں واپس کرتا۔ انتظار حسین نے اپنی ادبی سونگھ بوجھ سے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے کیونکہ کتابیں پڑھنا ہی آج کا سب سے بڑا ادبی مسئلہ ہے۔ انتظار صاحب بہت کم بولتے ہیں اس لیے جب ٹی وی پر "انتظار فرمایئے" کا ٹیلپ چلتا تو ہم سمجھتے انتظار حسین کچھ فرمائیں گے جب کچھ دیر تک کوئی کچھ نہ فرماتا تو ہمیں یقین ہو جاتا کہ یہ انہی انتظار صاحب کے بارے میں ہے انہوں نے فرمایا ہے "لکھنے والے کے پاس سونگھنے کی صلاحیت بھی ہونا چاہیے جسے استعمال کر کے وہ جان سکے کہ دوسرا کیسا لکھتا ہے۔ صاحب! اس سے پہلے سونگھنے کی حس مجرم پکڑنے کے لیے استعمال ہوتی تھی پہلی بار رائٹر پکڑنے کے کام آئے گی۔ ہماری پولیس تو خیر اتنی ماہر ہے کہ منہ سونگھ کر بتا سکتی ہے کہ بندے کی جیب میں کتنے پیسے ہیں۔ باہر کے ملکوں میں لوگ سونگھ کر اندازہ لگاتے ہیں کہ دوسرا آرٹسٹ ہے یا نہیں۔ پچھلے دنوں امریکی اخبار میں ایک خبر چھپی کہ ایک فرنشڈ کمرہ انتہائی کم کرائے پر دستیاب ہے۔ باتھ روم نہیں ہے' آرٹسٹ حضرات کے لیے نادر موقع ہے۔ ہمارے پروفیسر ڈاکٹر زاہد امیر زمانہ طالب علمی میں امتحان سے کئی ماہ قبل کتابیں لے کر اپنے کمرے میں بند ہو جاتے اور ہوسٹل کے دوسرے طلبہ انہیں سونگھ کر پتا چلاتے کہ امتحان میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔ ہمارے ہاں کبھی اس طرح شاعروں کی سنیارٹی کا اندازہ ہوا کرتا تھا اب تو شاعر اور شاعری دھلی دھلائی آنے لگی ہے۔ سونگھ کی جگہ اونگھ نے لے لی ہے جیسے خالد احمد کو

ایک نوجوان افسر شاعر غزل سنا رہا تھا خالد احمد صاحب غزل سن کر چپ کر کے چلے گئے ہم نے شاعر سے کہا "لگتا ہے موصوف کو آپ کی غزل پسند نہیں آئی۔" شاعر بولا "وہ میری غزل سن ہی نہیں رہے تھے انہیں تو جمائیں آرہی تھیں۔" عرض کیا "اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ وہ آپ کی غزل غور سے سن رہے تھے۔ پڑھنے میں تو یہ بھی مسئلہ ہے کہ کچھ رائٹرز پڑھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے جیسے منٹو نوجوان پڑھنے والوں کو ساتھ لے کر کوٹھے پر چلے جاتے ہیں اور باہر سے کنڈی لگا دیتے ہیں۔ اشفاق احمد صاحب پڑھنے والے کو اپنے بابے کے پاس لے جاتے ہیں اور اسے وہیں اکیلا چھوڑ کر خود بابے سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ شاعروں کے تو کیا ہی کہنے۔ رسول حمزہ توف کی نظم ہے:

جب تک میرا بیٹا
غوں غوں کرتا تھا
اس کی ہر بات میری سمجھ میں آتی تھی
مگر جب سے وہ شاعر ہوا ہے
مجھے اس کی کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔

انتظار حسین صاحب چاہتے تو سونگھنے کی بجائے چھٹی حس سے یہ کام لے سکتے تھے لیکن انہوں نے ہم جیسوں کا بھلا سوچا کیونکہ اس مہنگائی میں تو لوگوں کے پاس پہلی پانچ حسیں پوری نہیں ہیں چھٹی کی تو بات ہی اور ہے۔ کامیڈین جانی واکر کہتا ہے "میں چھٹی حس سے اس لئے کام لیتا ہوں کہ پہلی پانچ میرے پاس ہیں ہی نہیں۔" سونگھنے کی حس بڑے فنکاروں میں بڑی ہوتی ہے۔ مہدی حسن خاں صاحب فرماتے ہیں میں سائیلنسر سونگھ کر بتا سکتا ہوں گاڑی نے کتنا سفر کیا ہے۔ 1949ء میں اسی خصوصیت کی بنا پر نواب آف بہاولپور نے انہیں دس ہزار پاؤنڈ تنخواہ پر ساتھ لے جانا چاہا جتنی نواب صاحب نے مہدی حسن خان صاحب کی سونگھ کی قدر کی اتنی ہم نے ان کی گائیکی کی نہیں کی۔ کہتے ہیں اب کلاسیکل اور بائی سیکل کا زمانہ نہیں رہا، پھر بھی آج کل کلاسیکل موسیقی اور ڈسکو میں یہ فرق ہے کہ کلاسیکل سننے والے ہاتھ ہلاتے ہیں اور ڈسکو سننے والے ٹانگیں۔ انتظار حسین ادب کے مہدی حسن خان ہیں۔ ان کی کتابیں پڑھ کر ویسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسا ایسی کتابیں پڑھنے سے محسوس ہوتا

ہے۔ یہ کتابیں ہر عمر کے بوڑھوں کے لیے ہیں۔ ایک محترمہ کہہ رہی تھیں "ان کی کتابوں سے میں اتنا ہی لطف اندوز ہوتی ہوں جتنا میرا خاوند۔" البتہ ہماری کتابوں کے بارے میں بولیں یہ اس قدر مزاحیہ ہوتی ہیں کہ جب کوئی کتاب اٹھاتی ہوں مجھے ہنسی آجاتی ہے سوچتی ہوں کسی دن انہیں پڑھ ہی لوں۔ ہمارے ہاں کتابیں پہلے ہی مہنگی ہیں پھر بندہ جب انہیں خرید کر پڑھتا ہے تو اور بھی مہنگی لگتی ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ادب میں جتنے بڑے نام ہمارے پاس ہیں شاید ہی کسی اور زبان میں ہوں۔ جیسے انتظار حسین کے پسندیدہ ادیب جناب "ناثر عدیم النظیر و ناظم فقید المثال بذلہ سنج نازک خیال جلا بخش اردو زبان اعجاز بیان جناب میرزا رجب علی بیگ سرور" ہمارے ایک دوست مزاحیہ شاعر کا نام اتنا لمبا ہے کہ ان کا نام سن کر ہی لوگ ہنسنے لگتے ہیں جب وہ کلام سناتا ہے تب کہیں جا کے سنجیدہ ہوتے ہیں۔ سکول میں ٹیچر نے جب اسے سزا دینا ہوتی تو کہتا اپنا نام دس مرتبہ لکھ کر لاؤ۔ ہمارے ہاں آج کل پڑھنے والوں سے لکھنے والے زیادہ ہیں۔ سیاست دانوں کا تو لکھنے پڑھنے سے اتنا تعلق ہے کہ ایک لیڈر شور میں منشور کا اعلان کر رہے تھے۔ منشور کی کاپیاں بھی تقسیم کی گئیں۔ دیر سے آنے والے ایک صحافی نے لیڈر کو چٹ لکھ بھیجی کہ ایک کتابچہ مجھے دلوا دیں۔ وہ لیڈر اس وقت تو خاموش رہے بعد میں شکایت کرنے لگے کہ اب صحافی بھی عجیب عجیب فرمائشیں کرنے لگے ہیں میں پریس کانفرنس میں کتے کا بچہ کہاں سے دلواتا۔ بہر حال کتابیں پڑھنے کے بے شمار فائدے ہیں جیسے ہمارے ایک جاننے والی کی بیوی نے عبدالعزیز خالد صاحب کی ایک کتاب پڑھ کر دس پاؤنڈ وزن کم کیا' کیونکہ ان کے جس ہمسائے کے گھر ڈکشنری ہے وہ تھرڈ فلور پر جو رہتا ہے۔ خیر ادیبوں شاعروں کے تو چہرے بھی ڈکشنری کے بغیر نہیں پڑھے جاسکتے۔ ڈکشنری میں تو "کامیابی" بھی "محنت" سے پہلے آتی ہے۔ اکثر کتابیں ایسی ہیں وہ نہ ہوتیں تو ہمیں کئی راتیں جاگنا پڑتا اس کے باوجود ہم نے پڑھنے کی بجائے سونگھ بوجھ سے کام لینا چاہا لیکن ہم تو پروین شاکر کی "خوشبو" نہ سونگھ سکے۔ سو لگتا ہے کتابیں سنگھوانے کے لیے انتظار صاحب کے پاس ہی جانا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے وہ صرف افسانے سونگھتے ہوں غزلیں اور نظمیں سنگھوانے کسی اور سونگھوان کے ضرورت پڑے۔